بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

معمولی مگر اہم نکتہ

انسان کی نفسیاتی کیفیت بھی عجیب ہے۔ اصولاً کسی سے پوچھئے تو بلا تأمل کہہ دے گا کہ ہر شخص سے غلطی کا امکان ہے۔ لیکن بہت کم ایسے ملیں گے جو اپنی غلطی کا اعتراف کھلی پیشانی سے کر لیں۔ بالعموم ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی غلط بات کسی وقت کسی جذبہ یا خیال کے ماتحت منہ سے نکل جاتی ہے تو اس کے بعد وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسے صحیح تسلیم کرا دے۔ اس سعی لا حاصل میں اس سے فریب خوردگی اور فریب دہی کے ایسے ایسے مظاہرے ہوتے ہیں کہ جس پر ساری دنیا ہنستی ہے لیکن اس سے اسے اور چڑ پیدا ہو جاتی ہے اور ساری دنیا کے خلاف اس کے دل میں انتقام کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے کچھ وقت کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ یا تو قلب میں سکون پیدا ہو جانے کی وجہ سے یا خارجی احوال وظروف کی بناء پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں آزمائش کی یہ گھڑی بڑی نازک اور کٹھن ہوتی ہے۔ غلطی کے اعتراف میں اپنی خودی کے (غلط تصور) کو ٹھیس لگتی ہے۔ جس شد و مد سے اپنے غلط خیال کو صحیح ثابت کرنے میں تگ و دو کی تھی وہ تمام مراحل ایک ایک کر کے سامنے آ جاتے ہیں۔ پھر نام کی شہرت۔ گرد و پیش کے کنکھیوں کے اشارے۔ یہ تمام تصورات جمع ہو کر اعتراف حقیقت میں گلو گیر ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر اللہ کی توفیق شامل حال ہو جائے تو انسان ان تمام ذہنی موانع کو جھٹک کر الگ کر دیتا ہے اور نہایت کشادہ نگہی اور وسیع الظرفی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا ہے اور اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ جھوٹی عزت کا زعم باطل جو اعترافِ حقیقت میں یوں گلو گیر ہو رہا تھا اس کی اصل اس کے اپنے دماغ کے بتکدہ سے باہر کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن اگر اس کشمکش کے عالم میں یہی باطل تصورات انسان کے قلب و دماغ پر چھا جائیں تو وہ کبھی اعترافِ حقیقت نہیں کرتا بلکہ اپنی غلط روش پر پہلے سے بھی زیادہ شدت سے کاربند رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ راہ اسے ہلاکت و بربادی کے مہیب غار میں دھکیل دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید حسن عباس رضوی، کوئٹہ

طلوع اسلام نے کیا کیا ہے؟

آغازِ کلام: یوں تو اس سوال کا جواب بڑا ہی مختصر ہے کہ طلوع اسلام نے کیا کیا ہے۔ وہ یہ کہ طلوع اسلام نے خمخانۂ حجاز کی ٹوٹی پھوٹی صراحیوں کی ٹھیکریاں جمع کر کے ان پر لکھی ہوئی داستانِ پارینہ کو ازسرنو مرتب کیا ہے۔ دنیائے انسانیت کو وہ فکر صالح عطا کی ہے جس سے بیگانہ ہو کر وہ جہالت کی تاریکی میں دم توڑ رہی تھی۔ کاروان حیات کو منزل کی طرف بڑھنے کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کر دی ہے۔ ایک متعین اور واضح نصب العین عطا کیا ہے۔ فلسفۂ حیات کا مکمل مفہوم پیش کیا ہے۔ کائنات کی بلندیوں اور پستیوں کے اسرار بے نقاب کر دیئے ہیں۔ اور مافیہا کا سینہ چاک کر کے رموزِ فطرت انسانیت کے سامنے بے مزد و معاوضہ پیش کر دیئے ہیں۔

لیکن اگر تفصیلاً بیان کیا جائے کہ طلوع اسلام نے کیا کیا ہے، تو اس کے لئے ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ میں چند ایک ایسی چیزوں پر اکتفا کروں گا جو مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔

سب سے پہلی انقلابی دعوت: طلوع اسلام نے سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین یعنی نظام حیات (Social Order) ہے جس کے بنیادی اصولوں اور ہدایات کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ جسے اپنا کر انسان جنت کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ خدا کی طرف سے دین ہی حضرات انبیاء کرامؑ کی وساطت سے ملا تھا۔ دین انسان کی ہیئت اجتماعیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ برعکس اس کے مذہب ذاتی عقائد اور رسم و رواج کا مجموعہ ہے۔ اس میں تفکر و تدبر کو کوئی دخل نہیں، اس کا انسان کی اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ یہ انسانیت کے جسد واحد کا شیرازہ بکھیرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان ایک ایسی دنیا میں داخل ہوتا ہے جہاں سلامتی اور امن کا چراغ گل ہو جاتا ہے اور ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا ہے۔ فساد آدمیت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جدھر نگاہ دوڑائیں دنیا رزمگاہ ابلاس

نظر آتی ہے۔ پھر یہیں سے مذہبی پیشوائیت جنم لیتی ہے اور مجبور و مقہور انسان کو طرح طرح کے فریب دے کر اپنے پیچھے لگا لیتی ہے۔ وہ اپنی بقاء کے لئے محنت کرتے کرتے ہلکان ہو جاتا ہے اور یہ ان کی کمائی پر عیش اڑاتی ہے۔ ایسی زندگی کو قرآن نے دوزخ کی زندگی کہا ہے۔

برادران عزیز! آپ نے دین اور مذہب کا تقابل دیکھ لیا۔ جب تک دین خداوندی کی عطا کردہ اقدار کی پیروی ہوتی رہی' انسان پر ابر رحمت کی گہر باریاں ہوتی رہیں اور جونہی انسان نے دین خداوندی کو چھوڑ کر اپنے کردار کو خود ساختہ پیمانوں کے تابع کر کے ہیئت اجتماعیہ کا شیرازہ بکھیر دیا تو تمام افرادِ خانہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور چاروں طرف فساد اور خوں ریزی برپا ہو گئی اور اس طرح شرف انسانیت مذہب کی بھینٹ چڑھ گئی۔

مسلمانوں کی حالتِ زار: عام انسانوں سے ہٹ کر اب عالم اسلام کی طرف آیئے۔ اس ملت نے بھی جب دین کو چھوڑ کر مذہب اختیار کیا اس سے وہ تمام سرفرازیاں اور نعمتیں چھن گئیں جو مسلمانوں کا طغرۂ امتیاز تھیں۔ اس کی اجتماعی زندگی پارہ پارہ ہو گئی۔ ابلیسیت نے پھر سر اٹھایا۔ وہی ابلیسیت جو نور مبین آ جانے پر صحراؤں' جنگلوں اور غاروں میں جا چھپی تھی۔ کہیں شاہی درباروں میں عشوہ طراز ہوئی' کہیں جبہ و عمامہ میں جلوہ افروز ہوئی اور کہیں مقدس مقامات میں نمودار ہوئی۔ یہاں تک کہ پوری آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آ گئی۔ وہی دیرینہ اسباقِ سامری ایک ایک کر کے سامنے آتے چلے گئے اور اپنے مخصوص سحر کارانہ انداز سے معاشرتی نظام میں پیوست ہوتے چلے گئے۔ اس طرح ہوائے شیطنت ڈگمگاتی ہوئی کشتیوں کو ڈبوتی رہی۔ قلزمِ طاغوت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رموزِ جہانبانی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا اور خیر الامم آسودہ ساحل ہو کر دل کو یہ تسلیاں دیتی رہی کہ یہ میری نہیں کسی اور کی کہانی ہے۔ وہ قیامت کے مسائل حل کرتی رہی۔ لیکن اسے یہ قیامت دکھائی نہ دی کہ

گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس کی سطوت و جبروت کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں۔ اس کے بعد مسلمان تذبذب اور بددلی کے عالم میں مارا مارا پھرتا رہا۔ زمین اس پر تنگ ہو گئی۔ اس کے لئے ایک لمحہ ستانے کے لئے بھی ٹھکانہ نہ رہا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر کوئی بھیڑ بکری کی طرح اسے جس طرف چاہتا ہنکا لے جاتا۔ اس محرومی اور ناکامی کی حالت میں مسلمان در بدر خاک بسر پھر رہا تھا۔ ندرتِ فکر اور جدتِ کردار جیسی متاعِ بے بہا اس سے چھن چکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے اور کدھر جائے۔ اسے اس گرداب بلا سے نکالنے والا کوئی دکھائی

نہیں دیتا تھا۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے تھے کسی مردِ راہداں کے لئے

مردِ راہداں: آخر کار مبدائے فیض کی کرم گستری سے انہی میں سے ایک مردِ راہداں پیدا ہوا جسے اہل فکر پرویز کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کہا جائے گا کہ پرویز بھی ایک مفکر ہے اور دوسری تحریکوں کے سربراہ بھی مفکر ہیں۔ آخر اس میں کیا خاص بات ہے۔ وہ خاص بات یہ ہے کہ پرویز کی فکر، قرآن حکیم کے خالص چشمۂ نور سے منور اور مُستنیر ہے۔ محترم پرویز صاحب نے جو فکر پیش کی ہے وہ بالکل منفرد کیفیت کی حامل ہے۔ اس کا ثبوت اہل جبہ و عمامہ کی غوغا آرائی سے ملتا ہے۔

دوسری انقلابی دعوت: دماغ میں فکر بلند کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے پرویز صاحب کے سینے میں قلب حساس بھی رکھا ہے یہی وہ قلب حساس ہے جس نے ملت کی محرومی کی المناک داستان اور مسلسل ناکامی کی وجہ سے ان کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے تاریخ انسانیت پر طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ ان کے سامنے انسان کے کمال و زوال کے تمام واقعات سینما فلم کی طرح ایک ایک کر کے آتے گئے۔ اب اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ ملت اسلامیہ کے زوال کا سبب کیا ہے۔ خدا کی طرف سے عطا کردہ قرآنی بصیرت کی بدولت اس مرد دوربین کی نگاہوں نے فوراً بھانپ لیا کہ ملت کا مرض قرآن کی رفاقت سے محرومی ہے۔ اس کا دین مذہب میں تبدیل ہوگیا ہے۔ اس کا مرکز چھن گیا ہے۔ وہ شجرِ ممنوعہ کی طرح ایک سو ایک شاخوں میں بٹ چکی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور عبادت کا مفہوم بدل گیا ہے۔ مذہبی پیشوائیت، ملوکیت اور سرمایہ دارانہ ذہنیت پیدا ہو چکی ہے۔ جب مرض کی علت اور علامات معلوم ہوگئیں تو علاج بھی سامنے نظر آنے لگا۔ انہوں نے دیکھا نہ یہ مرض نیا ہے نہ اس کے لئے کسی نئے علاج کی ضرورت ہے:

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

محترم پرویز صاحب نے دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی اور لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا کہ بیماری قرآن سے دوری کی ہے۔ اور علاج ''تمسک بالقرآن''۔

دین کے نفاذ کے لئے خطۂ ارض کی ضرورت لاینفک ہے

: برادرانِ عزیز! ''الدین'' یعنی اسلامی نظامِ حیات کا ضابطۂ قوانین۔ یعنی قرآن تو موجود تھا مگر اس نظام کی اہم کڑی جس کے بغیر تمسک بالقرآن کا عمل (Process) تکمیل نہیں پا سکتا موجود نہیں تھی۔ یہ اہم کڑی قوتِ نافذہ یعنی مرکزِ ملت تھی۔ قوتِ نافذہ نہ ہو تو قانون نافذ نہیں ہوسکتا۔ لیکن قانون اور قوت نافذہ کے ساتھ خطۂ ارض کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جہاں یہ قانون

نافذ کیا جائے۔ امم سابقہ کی تاریخ جو قرآن میں محفوظ ہے' ہمیں بتاتی ہے کہ نظام خداوندی کے نفاذ کے لئے ہر نبی کے پیش نظر خطۂ ارض کی ضرورت لاینفک رہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی صحرانوردیاں اوران کی تلاطم خیز داستانِ جہاد شاہد ہے کہ وہ ایک ایسے خطۂ زمین کی تلاش میں وقف اضطراب رہے جہاں بنی اسرائیل کو آباد کیا جائے اور وہاں پھر وہ نظام قائم کیا جائے جس کے لئے اللہ نے ان کو مامور کیا تھا۔ یعنی لتجزٰی کل نفس بما تسعیٰ (۲۰/۱۵) ہر فرد اپنی محنت کے بھرپور نتائج حاصل کرے اور کوئی آدمی اپنی محنت کے پھل سے محروم نہ رہے۔

نظریۂ پاکستان : یہ وہ ضرورت تھی جس کا احساس سرسید احمد رحمتہ اللہ علیہ کو ایک عرصہ پہلے ہو چکا تھا۔ اور جس کی آرزو کی تکمیل کے لئے ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے الہ آباد مسلم لیگ کے اجلاس میں ایک خطبہ کے دوران پاکستان کا منصوبہ پیش کر دیا تھا۔ اس پروگرام کی تکمیل کے لئے اقبال کی جوہر شناس نگاہ نے قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمتہ کا انتخاب کرلیا تھا۔ نظریہ پاکستان کی مخالفت میں ہندوؤں کے علاوہ نیشنلسٹ مسلمان اور علماء بھی میدان میں نکل آئے تھے۔ اس وقت ایک ایسے مفکر قرآن کی ضرورت تھی جو نیشنلسٹ علماء کو قرآن کی روشنی میں مسکت جواب دے سکے۔ فطرت کی طرف سے یہ فریضہ پرویز صاحب کے سپرد ہوا۔ ۱۹۳۸ء میں قائداعظمؒ نے سرسید اور شاعر مشرق کے حسین خواب کی تعبیر پیش کرنے کے لئے پاکستان کی تحریک چلائی اور اس تحریک کی ہمنوائی میں پرویز صاحب نے ماہ نامہ طلوع اسلام کے اجراء کے ساتھ تحریک طلوع اسلام کا باقاعدہ آغاز کیا۔

عزیزانِ گرامی! وہ کتنا مبارک اور حسین منظر تھا جب یہ دونوں تحریکیں دین خداوندی کے غلبہ کی خاطر پہلو بہ پہلو منزل کی طرف گامزن ہوئیں۔ ان حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو تحریک پاکستان کے اصل محرک سرسید احمد خانؒ حضرت علامہ اقبالؒ حضرت قائداعظمؒ اور محترمی پرویز ہیں۔ طلوع اسلام کا پہلا دور قیام پاکستان پر منتج ہوا۔

دوسرا دور پہلے سے کہیں زیادہ اہم اور سعی و کاوش کا متقاضی تھا۔ کیونکہ خطۂ زمین تو مل گیا تھا لیکن اس قانون' اس نظام کا نفاذ ہنوز باقی تھا جس کی خاطر پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ اس میں قانون خداوندی کا نفاذ اور غلبہ ہی ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے پرویز صاحب کو علامہ اقبالؒ کی راہنمائی کے مطابق حضرت قائداعظمؒ کے ساتھ اشتراک پر آمادہ کیا تھا۔ ورنہ طلوع اسلام کو نہ تو مذہبی فرقہ بننا مقصود تھا اور نہ سیاسی جماعت۔ طلوع اسلام کے سامنے نہ کوئی ذاتی مفاد تھا نہ ہوسِ اقتدار۔ اس کے پیش

نظر صرف اسلامی نظام کا نفاذ تھا جس کے ذریعے اقتدار کو خدا اور خدا کے قانون کے لئے مخصوص کیا جائے۔ کیونکہ اسلامی حکومت میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہوسکتی ہے۔

تیسری انقلابی دعوت : برادرانِ عزیز! تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں مقابلہ نظامہائے حیات کے مابین ہوتا ہے نہ کہ ذاتی عقائد اور مذاہب کے درمیان۔ جو نظام امن عالم اور سلامتی کی ضمانت دیتا ہے دنیا اس کی طرف جھکتی ہے۔ آپ کے عقائد بظاہر کتنے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں جب تک آپ کے پاس انسان کی خوشحالی کے لئے ٹھوس نظام نہیں ہوگا' آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ جس نے افراد کی ضرورت سے چشم پوشی کی' وہ نظام کبھی پنپ نہیں سکا اور ظاہر ہے یہ مقاصد اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں جب کسی ملک میں رزق کی فراوانی ہوگی۔ یہی وہ نظریہ ہے جسے طلوع اسلام اس شدومد سے پیش کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ کوئی ملک ہو' کوئی بھی نظام ہو' اس کے امن اور سلامتی کا راز اس کی معیشت کے استحکام میں مضمر ہے۔ اس کی خوشحالی کا دارومدار اس کی معاشی حالت پر ہے۔ اس کے باشندوں کی نشوونما کا انحصار اس ملک کی معاشیات پر ہے اور معاشیات کا انحصار ملک کے ذرائع پیداوار پر ہے اور قرآن کی اصطلاح میں ''خزائن الارض'' پر ہے اور خزائن الارض سے پورا پورا فائدہ صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب وہ افراد کی بجائے قرآنی نظام کی تحویل میں ہوں تاکہ ہر فرد معاشرہ کو اس کی ضرورت کے مطابق ہر چیز مرکز کی طرف سے ملتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلوع اسلام نے قرآن حکیم کے ان گوشوں کو ایک ایک کر کے بے نقاب کیا جن کا تعلق اسلامی نظام معیشت سے ہے۔ ان جواہر ریزوں پر مشتمل ایک مبسوط کتاب بعنوان ''نظام ربوبیت'' میں محترم پرویز صاحب نے ایک واضح اور متعین پروگرام پیش کیا ہے۔ تحریک طلوع اسلام کا عملی پروگرام اسی کتاب پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں نظام حیات کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس مختصر سے وقت میں ان کو کلیتہً تو نہیں دہرا سکتا البتہ ان کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔

نظامِ ربوبیت میں کیا ہے : (۱) اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ (اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

(۲) کوئی فرد بھوکا' ننگا' یا بے گھر نہیں رہے گا۔ تمام افراد کے لئے خوراک' لباس اور مکان کا انتظام کرنا

معاشرہ کے ذمہ ہوگا۔

(۳) معاشرہ کی یہ بھی ذمہ داری ہوگی کہ ہر شخص کی تعلیم وتربیت، علاج معالجہ کا تسلی بخش اور بلا قیمت انتظام کرے۔ تعلیم وتربیت کا منشاء حصول علم کے علاوہ فرد کی ذات کا استحکام اور اس کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوگا۔ بالفاظ دیگر معاشرہ کا وجود فرد کی ذات کی تکمیل کے لئے ہوگا۔

(۴) ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے (قرآن کی رو سے) ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہیں۔ تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے۔ اور اس طرح کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اس کو قرآنی نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ قرآن ایک ایسا نظام حیات تجویز کرتا ہے جو افراد کی معاشی ہمواری کا ضامن ہے۔ وہ اس کا واحد حل یہ بتاتا ہے کہ تمام ذرائع آمدن ووسائل پیداوار اور رزق کے سرچشمے نظام اسلامی کی تحویل میں ہوں اور وہاں سے ہر چیز حسب ضرورت افراد معاشرہ میں مساویانہ تقسیم ہو۔ اس طرح کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا محتاج نہ ہو اور یہی وہ واحد طریقہ ہے جس سے ایک انسان صحیح معنوں میں خدا کی محکومی اور فرمانبرداری اختیار کرسکتا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

صبر واستقامت: لیکن پاکستان بننے کے ساتھ ہی، جیسا کہ ہوا کرتا ہے، ایسی جماعتیں بھی پاکستان میں آ گئیں جن کا کام غولِ راہ بن کر اولادِ آدم کو بھٹکانا تھا۔ سب سے بڑی بدنصیبی یہ کہ پاکستان بننے کے ایک سال بعد قائداعظمؒ بھی داغِ مفارقت دے گئے اور اس نوزائیدہ پودے کو ابتدا ہی میں بادِ سموم کی مہلک آندھیوں سے سابقہ پڑ گیا۔ یعنی یکے بعد دیگرے ایسی حکومتیں بنتی رہیں جن کے بنانے والوں کے پیش نظر ذاتی مفاد اور اقربا پروری کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن

قیدِ قفس کے بعد کرے گا قید گلستاں کون گوارا
اب بھی وہی زنجیریں ہیں گو پہلی سی جھنکار نہیں

لیکن طلوع اسلام جس نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا تھا، اپنی محنتوں کے ماحصل اور ملت کے مزرعِ شاداب کو اس طرح پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے صبر واستقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور ایک بار پھر پوری آب وتاب کے ساتھ میدان میں نکل آیا تاکہ پھر سے عوام کو قرآن کے رموز واسرار سے روشناس کرائے اس مقصد کے تحت پاکستان میں اور پاکستان کے باہر غیر ممالک میں طلوع اسلام کی بزم قائم کی گئیں۔ تاکہ ان کی وساطت سے طلوع اسلام کی پیش

کردہ فکر کو عام کیا جائے۔ علاوہ ازیں پرویز صاحب کی شبانہ روز محنت کی بدولت عوام کو ایسا لٹریچر ملتا رہا جس کے وہ صدیوں سے منتظر چلے آ رہے تھے۔ سلسلۂ معارف القرآن' مفہوم القرآن' لغات القرآن' سلیم کے نام خطوط' نظام ربوبیت اور وقتاً فوقتاً اشاعت پذیر ہوتے رہنے والی کتب اور پمفلٹوں نے قوم کے جسد مردہ میں نئی روح پھونک دی۔ مذہبی پیشوائیت جو اکاس بیل کی طرح شجرِ ملت کو اپنے شکنجے میں لئے ہوئے تھی' اس کے بل ڈھیلے پڑ گئے۔ ندرتِ فکر اور جدتِ کردار جسے مذہبی پیشوائیت نے بحقِ خود ضبط کر رکھا تھا' عوام کو واپس ملنے لگی اور مسلمان ایک بار پھر تفکر و تدبر کی کشادہ شاہراہ پر دلجمعی سے گامزن ہو گیا۔ یہ قرآن کا اعجاز تھا اور پرویز صاحب کا درد بھرا دل' جو حقائق کو پا کر چپ نہ رہ سکا۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

سلسلۂ نشرواشاعت کی انقلاب انگیز تازہ تصنیف (Islam:A Challenge to Religion)..... ہے جو پرویز صاحب کی عمر بھر کی قرآنی فکر کا انمول شاہکار ہے۔ اس پر کچھ زیادہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ صرف اتنا کہوں گا ؎

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

حرفِ آخر: طلوع اسلام کا پروگرام ہنگامے برپا کرنا نہیں۔ اس کے پیش نظر نہایت پرامن اور آئینی طریق سے قرآنی فکر کو عام کرنا ہے۔ یہ نہ کوئی مذہبی فرقہ ہے' نہ سیاسی پارٹی اور نہ ہی اس کا مقصد چندے جمع کرنا ہے۔ اگرچہ اس کے پاس سامان و ذرائع کی بے حد کمی ہے پھر بھی یہ اپنی منزل کی طرف بڑی سرعت سے بڑھتے چلا جا رہا ہے۔ طلوع اسلام کے لئے اس سے بڑھ کر اور زادراہ کیا ہو سکتا ہے کہ جب وہ دین کی آواز کو بلند کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کائناتی قوتیں اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طلوع اسلام کی آواز نے ہر سننے والے کو متاثر کر دیا ہے اور اس کو رک رک کر سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کہیں یہ میرے ہی دل کی آواز تو نہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ طلوع اسلام کے ہمنوا تو ایک طرف' اس تحریک کے شدید ترین مخالف بھی اپنے مواعظ اور تقاریر میں خیالات تو کجا' اصطلاحات' استعارات اور اکثر اوقات الفاظ تک بھی وہی استعمال کرتے ہیں جو طلوع اسلام نے قرآن پیش کرتے وقت استعمال کئے ہیں۔ کیا یہ انقلاب عظیم نہیں ہے کہ ؎

حُسن کے رازِ نہاں شرح و بیاں تک پہنچے
آنکھ سے دل میں گئے دل سے زباں تک پہنچے
دل نے آنکھوں سے کہی آنکھ نے ان سے کہہ دی
بات چل نکلی ہے' اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

پیش لفظ

[بزمِ طلوع اسلام' لاہور کی مساعی ء جمیلہ سے ''مطالب الفرقان فی دروس القرآن'' کے سلسلہ کی چوتھی' پانچویں اور چھٹی جلد عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہوا چاہتی ہیں۔ ان میں سے ایک جلد سورہ الحج کا دیباچہ جو کہ محترم چیئرمین ادارہ نے تحریر فرمایا ہے۔ قارئینِ طلوع اسلام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)]

ادارہ طلوع اسلام لاہور کے لیے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ بزمِ طلوع اسلام لاہور نے محترم پرویزؒ کے پیش کردہ ہفتہ وار دروسِ قرآن کو قرطاس پر منتقل کرنے کے لیے جس پروگرام کا آغاز ''مطالب الفرقان فی دروس القرآن'' کے زیرعنوان جناب ڈاکٹر منظور الحق صاحب کی زیرنگرانی شروع کیا تھا۔ اس کے تحت اس سے پیشتر سورۃ النحل' سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف و مریم کی شکل میں الگ الگ تین جلدیں شائع ہوچکی ہیں اور اب اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے بزم لاہور مذکورہ دروسِ قرآن کی مزید تین سورتیں یعنی سورۃ طٰہٰ' سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج پر مشتمل الگ الگ کم و بیش چار چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی تین جلدیں فکر قرآنی سے آگہی رکھنے والے احبابِ ذوق سلیم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ یاد رہے کہ سورۃ الحج کے متعلق دروسِ قرآن کا آغاز 24 نومبر 1976ء کو اور اختتام 20 مارچ 1977 کو ہوا تھا۔

ان دروس میں حج کے مقاصد و مناسک' حج اور عمرہ میں فرق' قرآن سے پہلے کعبہ کی تولیت اور وہاں کی پیشوائیت باطلہ کے کردار کی بڑی تفصیل کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ عرب میں دو تین بڑے شہر تھے' مکہ کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل تھی' قبائل جو صحراؤں میں رہتے تھے انہیں بدوی یا اعراب کہا جاتا تھا۔ عرب میں مکہ کی مرکزی حیثیت کعبہ کی وجہ سے تھی' کعبہ کے متولی قریش کے پاس باضابطہ کوئی حکومت نہ تھی' ان کی زندگی قبائلی زندگی ہی تھی گو مکہ جیسا شہر تھا لیکن وہاں زندگی قبائلی سطح ہی کی تھی' جس طرح سے پنچائتیں ہوتی ہیں' ابھی بادشاہت کا تصور نہیں تھا لیکن جسدِ انسانیت کے لیے تینوں جذامی قوتیں یعنی فرعونیت' قارونیت اور ہامانیت وہاں موجود تھیں۔ انسانوں پر انسانوں کی حکومت تھی لیکن اس کا نام ملوکیت یا بادشاہت نہیں تھا۔ وہاں نہ کوئی فوج تھی' نہ پولیس تھی' نہ قانون تھا' راستے تک بھی نہیں تھے' دن دیہاڑے قافلے لٹتے تھے' لوٹ مار پر ہی اکثر اس قوم کا گذارہ تھا۔ آمدنی کے کوئی باقاعدہ ذرائع نہیں تھے' جسے آج بھی غنیمت کہا جاتا

ہے۔ وہ یہی مال مویشی تھے جو یوں ہاتھ آ جاتے۔ غنیمت کا تو لفظ ہی غنم سے ہے یعنی بھیڑ بکریاں جو وہ لوٹ کے لے جاتے تھے۔

قریش کے متعلق تو قرآن کریم نے شہادت دی ہے کہ کعبہ کی تولیت کی بنا پر' سردی ہو یا گرمی' ان کے قافلوں کو کوئی نہیں لوٹتا تھا۔ (رحلۃ الشتاء والصیف، ۱۰۶۔۲)

یعنی اس ملک میں جہاں کسی کا کوئی قافلہ محفوظ نہیں تھا وہاں ان کے قافلے رواں دواں چلتے رہتے، کسی کی جرأت نہیں تھی کہ ان قافلوں پر ہاتھ ڈالے' یہ لوگ مذہبی تقدس سے فائدہ اٹھاتے تھے' عربوں کے ہاں یہ عقیدہ مشہور تھا کہ جو قریش کعبہ کے متولی ہیں ان کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے اور تو اور جب لوگ حج کے لیے آتے تھے تو اپنے ساتھ مویشی لاتے تھے وہ چڑھاوے چڑھاتے تھے' وہاں جانور ذبح کرتے اور کھاتے تھے' وہ آتے ہوئے ان جانوروں کے گلے میں ایک پٹہ ڈال دیتے تھے جس پر لکھا ہوتا تھا کہ یہ کعبے جا رہے ہیں۔ غور فرمائیں مذہبی پیشوائیت سرمایہ داری کی کس قدر عجیب اور لطیف شکل ہے۔ سرمایہ دار کو تو کچھ سرمایہ لگا کے آمدنی آتی ہے جب کہ یہ کچھ بھی Invest نہیں کرتے' کوئی سرمایہ نہیں لگاتے اور آمدنی چلی آ رہی ہے۔

یہ عجیب انڈسٹری ہے' قریش مکہ بھی تاجر تھے' مکہ ایک مرکزی منڈی تھا' پھر ان کے ہاں جو حج تھا' وہ صرف ان چیزوں کے لیے ہی رہ گیا تھا' اب بھی ہمارے ہاں میلوں پہ منڈیاں لگتی ہیں' آپ سمجھ لیں کہ حج ان کے ہاں سارے ملک کی سب سے بڑی منڈی تھی اور وہ جو چھوٹی چھوٹی منڈیاں لگتی تھیں تو وہ ان کے ہاں عمرہ کہلاتی تھیں۔

قرآن آیا اس نے دین کا تصور دیا' کعبہ تو اوّل دن سے بنایا ہی اس لیے گیا تھا کہ نوع انسانی کو پروردگار کی طرف سے رہنمائی عطا کی جائے' اس کے الجھے ہوئے معاملات و مسائل کو سلجھایا جائے' انسان پر انسان کی بجائے قوانین خداوندی کی حکمرانی ہو' بالفاظ دیگر کعبہ شروع سے اس پروگرام کا ایک مرکزی محسوس مقام تھا۔ لیکن افسوس اس کی یہ حالت بگڑ گئی اور دین مسخ ہو کے مذہب بن گیا اور آخر کار دین کے جو شعائر تھے Symbols تھے' وہ آہستہ آہستہ بت پرستی میں تبدیل ہو گئے اور ان کی پرستش ہونے لگ گئی۔

اب صدیوں بعد حضور نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے مملکت خداوندی قائم ہو رہی تھی' فتح مکہ کی غرض یہ نہ تھی کہ رسولؐ اللہ کو اس مملکت کی بڑی ضرورت تھی یعنی یہ کہ ایک شہر اُن کے ہاتھ آ جائے۔ عزیزانِ من! یہ بات تھی ہی نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حکومت خداوندی کا مرکز یہی وہ کعبہ تھا جسے پہلے دن سے اسی ہی غرض کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس لیے اس ساری کائنات کے مالک خدا نے اس کو اپنا گھر کہا ورنہ کائنات میں کونسا مقام ہے جو خدا کا نہیں ہے۔

سوچیے کہ کعبے کے مجاوروں سے اگر یہ درگاہ چھن جائے تو باقی ان کے پاس رہتا ہی کیا تھا۔ یہ تھی اصل کشمکش یعنی وہ اسلام کے اس عادلانہ نظام کو متشکل نہیں ہونے دینا چاہتے تھے اور نہ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ کعبہ کی درگاہ کی تولیت کسی

دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے کیونکہ اس امر سے ان کا کچھ بھی باقی نہیں بچتا تھا۔

اس تناظر میں قرآن نے کہا ''**ان الذین کفروا یصدون عن سبیل اللہ و المسجد الحرام الذی جعلنہ للناس سواء ن العاکف فیہ و الباد** (22:25)

یہ نظام جس کے حسین اور خوشگوار نتائج کا ذکر پہلے کیا گیا ہے کا مرکز کعبہ ہے۔ یہ وہ واجب الاحترام مقام ہے جو تمام انسانوں کے لیے اطاعت خداوندی کا سرچشمہ قرار پائے گا۔ اسے ہم نے نوع انسان کے لیے خواہ وہ یہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے ان سب کے لیے یکساں طور پر کھلا رکھا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس نظام عدل و احسان سے خود بھی سرکشی برتتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ جبکہ ان کی اس دھاندلی کو روک دینے کا وقت آ گیا ہے۔

قرآن نے کعبہ کو نوع انسانیت کے لیے بطور OpenCity کھلا شہر بتایا ہے۔ **ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم** (22:25)

جس مقصد کے لیے ہم نے اسے متعین کیا ہے اس کے خلاف جو کوئی روش اختیار کرے گا تو ہم اس کو عذاب الیم دیں گے۔

الحج جس کا مادہ ح ج ج ہے کا معنیٰ ہے قصد کرنا' ارادہ کرنا۔ اسی مادہ سے لفظ حجت یعنی دلیل ہے۔ اسی لیے ابراہیمؑ سے کہا گیا کہ **واذن فی الناس بالحج** (22:27) تم لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ اپنے معاملات میں آخری دلیل و حجت کے لیے یہاں آیا کریں۔ نوع انسانی میں اعلان کر دو کہ جو متنازعہ فیہ معاملات ہیں ان کو لٹھ بازی سے' جنگ سے' شمشیر سے' جھگڑے اور لڑائی سے طے نہ کرو بلکہ اس مقام پہ آؤ' یہاں تمام معاملات کے فیصلے دلیل اور حجت کی رو سے ہوں گے۔ خدا کے اس گھر کا مقصد یہ تھا۔

آپ دیکھیں گے کہ قرآن میں جہاں بھی کعبہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں الناس کا ذکر ہے۔ یعنی کعبہ کو نوع انسانی کے لیے ایک مرکزی مقام بنانے کا ذکر ہے' نوع انسانی کے لیے ہدایت کا ذکر ہے۔ نوع انسانی کے قیام یعنی اس کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے نوع انسانی کو دعوت دی ہے کہ وہ آئیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ان کی منفعت کے لیے کیا کچھ کیا جا رہا ہے۔

سو' ربوبیت عالمینی کے اس عظیم الشان پروگرام کی تکمیل اور اس کے استحکام کی خاطر یہ ضروری قرار پایا کہ کرہ ارض کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ملت اسلامیہ کے نمائندگان سال میں ایک بار اجتماعی طور پر کعبہ کے سائے میں جمع ہوں تاکہ اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے پیش نظر حیاتِ اجتماعیہ کے مختلف عقدوں کا حل خدائے علیم وخبیر کی طرف سے عطا کردہ ضابطۂ حیات کی روشنی میں باہمی افہام وتفہیم کے تحت تلاش کرتے ہوئے اسے مربوط شکل میں پیش کریں' اور پھر اسی مقصد کے تحت

گاہے گاہے چھوٹی چھوٹی کانفرنسوں کا بھی انعقاد ہو جسے عمرہ کے نام سے ماسوم کیا جاتا ہے۔

برادران عزیز! یہ تھا حج کا وہ مقصدِ عظیم جس کے حصول کی خاطر کعبہ کو نوع انسانی کے لیے مرکز بنانا مقصود تھا۔ اقبال نے شاید انہیں حقائق کی بنیاد پر کہا تھا کہ:

مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے اپنا رختِ سفر کب باندھتی ہے کہ جس کو دیکھنے کے لیے آسمان عالم صدیوں سے چشم براہ ہے۔

والسلام

محمد شریف لون

چیئرمین، ادارہ طلوع اسلام، لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت سورۃ النحل، سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف و مریم کی اشاعت کے بعد بزم لاہور سورۂ طٰہٰ، سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج کو الگ الگ تین جلدوں میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ بڑی تقطیع، بہترین عمدہ کاغذ، خوبصورت پختہ جلد اور کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ نہایت مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

نام کتاب	موجودہ قیمت	نام کتاب	قیمت
سورۃ النحل	150/-	سورۂ طٰہٰ	180/-
سورۃ بنی اسرائیل	175/-	سورۃ الانبیاء	150/-
سورۃ الکہف و مریم	200/-	سورۃ الحج	180/-

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل احمد عدیل

مسئلہ جنات

(گذشتہ سے پیوستہ)

بلاشبہ بعض مواقع پر یہ خاص پس منظر میں اور معانی بھی دیتا ہے۔ جیسے ہٹیلا' غصیل' ضدی' سرکش' باغی آدمی کو بھی اصحابِ علم نے ''جن'' سے موسوم کیا ہے۔ ناری صفت' مغلوب الغضب اور شعلہ زن افراد بھی ''جن'' کہلائے۔ ابلیس کی شناخت بھی ایسے اشخاص سے منسوب ہوئی لیکن بہرنوع اس میں تستیر' پنہانی اور پوشیدگی کا مفہوم موجود ہے۔

جنین کا مادہ بھی جن بتایا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی رحم مادر کے اندر مستور ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جنون بھی کیونکہ یہ بھی مخفی اور پوشیدہ صفت کا نام ہے۔ اسے الگ طور پر کوئی مادی لحمیت اور حیثیت نہیں دی جا سکتی کہ اس مادے کا نام ''جنون'' ہے۔ بلکہ ایک روشن فکر کی تحقیق کے مطابق لفظ جنت بھی جن کے لغوی معانی کی تائید کرتا ہے کیونکہ یہ بھی مستور ہے۔ عربوں کے ہاں جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین درختوں کی کثرت کی وجہ سے نظر نہ آئے۔ (راغب)

لغت مزید رہبری کرتی ہے جـنـن قبر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ مردہ کو چھپا لیتی ہے۔۔۔ عربوں کے ہاں مجنون کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسے جن چمٹ گیا ہے۔

صاحبو! لفظ 'جن' کی لغوی تحقیق کا ذکر آ گیا ہے تو اس باب میں ممتاز علمی شخصیت جناب غلام احمد پرویزؒ کی مرتبہ ''لغات القرآن'' جلد اول کے صفحہ ۴۴۴ تا ۴۴۹ کا ایک بار مطالعہ کر لیجئے۔ یہ چار پانچ صفحات سینکڑوں اوراق کے مجموعے پر بھاری ہیں۔ اس موضوع کا اس قدر موثر خلاصہ تیار کر دینا' سمجھ نہیں آتی' رشک کا اظہار کریں یا نقش حیرت بن جائیں!۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے اس عدیم النظیر مفتون کی روح پر اپنے افضال کی بارش برابر برساتا رہے۔ ایسی شفافیت کہ من وجد کر اٹھتا ہے۔ خدارا ایک بار ان مُستنیر الفاظ کو اپنے آئینہ ابصار کے روبرو آنے کا موقع دیجئے' پھر دیکھئے کیسے دبستاں کھلتا ہے!!!۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ جن متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے لیکن آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ کسی ایک جگہ بھی اس مفہوم کا موید نہیں جو عوام کالانعام میں رائج ہے کہ جناب جن بے چارے/ نمانے انسان کو چمٹ جاتے ہیں۔ پھر پیشہ ور عاملین خاص عملیات' تعویذات' دم' وظائف' ٹونے ٹوٹکے' توڑ اور جھاڑ پھونک سے ان جنوں کو نکالنے کا کارنامہ انجام دیتے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما' جبہ پوش' عمامہ بردار' پیرانِ طریقت' دانش گاہوں کے سند یافتہ' کلین شیو' پڑھے لکھے۔۔۔ سب کے سب خیر سے 'جنات زدگی' کا بری طرح شکار ہیں۔ بھوت' پریت' عفریت' چھل پیری' پری' ڈائن' چڑیل' آسیب' بلا' مؤکل' بدروح' دیو' سایہ' اسر' جادو' سعالہ' پکھی اور ہوائی مخلوق ان کے اذہان پر سوار ہیں اور ہر لحظ کسی ایسی ہی نادیدہ مخلوق سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ تفصیل میں کیا جائیں ہر شخص کے پاس عجیب وغریب اور ہوشربا قصوں کا خاصہ خزانہ عامرہ موجود ہے۔

وجعلوا لله شركاء الجن.....

اور دیکھو ان لوگوں نے خدا کے ساتھ جنوں کو طاقت و تصرف میں شریک ٹھہرا لیا ہے۔ (۶/۱۱۰)

ابھی شاید وہ جواب قدرے ادھورا ہے کہ حضورﷺ کی رسالت کی Jurisdiction کہاں تک تھی؟ آیئے بارگاہ نبویﷺ سے ہی معلوم کرتے ہیں۔ آپﷺ اپنی ذات کے ودیعتی خصائص خمسہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے پانچ نمایاں تر اوصاف میں دیگر انبیاء ورسل پر امتیاز حاصل ہے۔ ان میں سے ایک کی بابت آپﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔

كان النبى يبعث الىٰ قومه خاصة

پہلے ہر فرستادہ خاص اپنی ہی قوم کی جانب مبعوث ہوا کرتا تھا۔

وبعثت الى الناس عامة

لیکن مجھے کائنات ارضی کے جملہ انسانوں کی طرف مامور کیا گیا ہے۔

یہاں آپﷺ نے صرف 'انسانوں' فرمایا ہے کسی اور مخلوق کا ذکر نہیں کیا۔

اگر بالفرض قوم جنات اپنی نوع کے اعتبار سے یکسر جداگانہ تشخص کی مالک مخلوق ہے۔ وہ انسان نہیں ہیں تو پھر سورۃ انعام کی اس آیت کے مفہوم کا تعین

کیسے ہوگا؟

و یوم یحشرھم جمیعا یٰمعشر الجن قد استکثرتم من الانس و قال اولیٰئھم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض..... (۶/۱۲۸)۔

اور یوم الحساب کو جب سب کو اکٹھا کیا جائے گا تو ہم جنوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہیں گے۔ اے گروہ جنات! تم نے اکثر حصہ انسانوں کا اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے بہت فائدے اٹھاتے تھے۔

جی کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے؟ کیا انسانوں کی کثرت جنات کی مضبوط گرفت میں ہے؟ [1] جنات کیا اسی طرح انسانوں کو بلیک میل یا Exploit کر کے اپنا اُلّو سیدھا کر رہے ہیں؟ اسی طرح یہ جائزہ بھی لے لیتے ہیں کہ حضرات انسان اپنے جن بھائیوں سے کس قدر مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں؟ اس تمتع کو کیا کوئی صاحبِ تقویٰ شماریات کے علم میں اسیر نہیں کر سکتا؟ دیکھئے اگر تو ''بے عملوں'' کے معملوں میں جھانک کر دیکھیں، تو واقعی ملت بیضا سجدہ ریز دکھائی دیتی ہے۔ بادی النظر میں یوں لگتا ہے کہ یہ سارے مجبور (نفسیاتی مریض) جنوں کے فولادی پنجوں میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت کھلتے ہوئے دیر نہیں لگتی کہ قیدی بھی انسان ہیں اور انہیں قید کرنے والے بھی انسان ہیں۔ گویا صید بھی انسان اور صیاد بھی انسان۔ وہی Cunning عامل (جو بدقسمتی سے ''انسان'' ہے) اپنے مرید انسان کی اُون اتار رہا ہوگا۔ ہم نے تو آج تلک یہ نہ دیکھا کہ ضرورت مند مرید نے پیر سائیں سے درخواست کی ہو، حضور والا! بندہ بڑا غریب ہے، کرائے کا مکان ایفورڈ نہیں کر سکتا، اپنے کسی Active سے ''جن'' کو حکم فرمائیے کہ اس محتاج کو دس مرلے کا گھر فی الفور تعمیر کر دو۔ اور پھر یہ ہوا ہو کہ پلک جھپکتے ہی ایک عدد فرنیشڈ گھر اس نادار کے لئے تیار ہو گیا ہو۔ ہمیں بے ساختہ ہنسی آ رہی ہے کہ اگر جنات یونہی بے گھر انسانوں کو گھر بنا کر دینے کی قدرت رکھتے ہوتے تو وہ خود بے چارے بوتلوں، شیشیوں، تربوزوں اور خربوزوں میں نہ رہتے۔

جی نہیں چاہتا اس آیت کا قرآنی مفہوم بتائے بغیر آگے بڑھ جائیں، سنئے۔

''جب وہ نظام قائم ہوگا تو ان مخالفین کی تمام پارٹیاں اکٹھی کی جائیں گی۔ شہری لوگ جو

---

[1] آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور امریکہ کی صورتوں میں اقوام عالم کو جو جنات چمٹے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اسکیمیں بنایا کرتے تھے اور بدوی جو ان اسکیموں کو کامیاب بنانے کے لئے ان کے دست و بازو بنا کرتے تھے۔۔۔ ان بدوی لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم نے ان شہری پارٹیوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور ان پارٹیوں کے سرغنے اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوں گے کہ ہم اس دعوت کی مخالفت میں ایک دوسرے کو استعمال کیا کرتے تھے تا آنکہ وہ وقت آ پہنچا جو ہمارے اعمال کے ظہورِ نتائج کے لئے مقرر تھا۔ (اور آج ہم اس طرح بندھے کھڑے ہیں) ان سے کہا جائے گا کہ تمہارا ٹھکانہ تباہیوں کا وہ جہنم ہے جس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس میں تبدیلی خدا ہی کے قانون کے مطابق ہوسکتی ہے اور ایسا ہوگا نہیں۔ وہ قانون یکسر علم وحکمت پر مبنی ہے۔'' (۶/۱۲۸)۔

ایک قدم اور آگے بڑھایئے اور دیکھئے قرآن اس مسئلے کو کس قدر سادہ مگر دلنشیں انداز میں واضح کرتا ہے۔

یٰمعشر الجن و الانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا قالو شھدنا علیٰ انفسنا و غرتھم الحیوۃ الدنیا و شھدو اعلی انفسھم انھم کانوا کٰفرین o

''ہم اس دن ان دونو ں گروہوں۔۔۔ بدویوں اور شہریوں۔۔۔ سے پوچھیں گے کہ کیا تمہاری طرف ہمارے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہارے اپنے ہی بھائی بند تھے۔ کوئی غیر نہیں تھے۔ وہ تمہارے سامنے ہمارے قوانین پیش کرتے تھے اور تمہیں آگاہ کیا کرتے تھے کہ ایک دن تمہارے اعمال کے نتائج تمہارے سامنے آ کر رہیں گے۔ اس پر وہ اقرار کریں گے کہ یہ ٹھیک ہے۔ اس کے لئے کسی خارجی شہادت کی بھی ضرورت نہیں۔ ہم خود اپنے خلاف شہادت دیتے ہیں۔۔۔''! (۶/۱۳۱)

غور کیجئے ایک طرف یہ فرمایا جنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے (۴۶/۳۰) [1] دوسری جانب جنات سے استفسار کیا جا رہا ہے' اب جب نتائج کا موعود دن آ گیا ہے' بولتے کیوں نہیں ہو کیا تمہیں ہدایت سے روشناس کرنے کے لئے' قوانین

[1] فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۵۵ میں ان جنات کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ جن جنات کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ نصیبین واقع عراق کا رہنے والا ایک گروہ تھا جو یہودی مذہب سے متعلق تھا' مصلحت کے تقاضوں کے پیش نظر اس گروہ کے افراد رسولؐ خدا سے خفیہ طور پر ملے تا کہ ان کے لئے مسائل کھڑے نہ ہوں۔

خداوندی کا ادراک عطا کرنے کے لئے میرے مقرر کئے ہوئے مرسل تم تک نہیں پہنچے تھے؟ اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی کہ وہ مرسلین کوئی غیر نہیں تھے۔ تم میں سے تھے' تمہاری نوع سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ مبادا تم یہ عذر لنگ پیش نہ کرنے لگ جاؤ کہ ہم انہیں اپنا رول ماڈل کیسے یقین کر لیتے کہ وہ تو کسی اور ہی نوع سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا' نہیں 'منکم' وہ تم میں سے تھے۔۔۔۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ انسانوں کے رسول انسانوں میں سے ہوتے اور جنات کے رسول قومِ جنات میں سے۔ اگر 'من کم' میں جنوں کے رسول الگ بھی ہیں یعنی جنوں میں بھی رسول مقرر ہوئے ہیں تو کیا کسی انس نے کبھی کسی جن رسول کی بیعت کی ہے؟ اگر نہیں کی تو جنوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ جن رسولوں کے ہوتے ہوئے انس رسولوں پر ایمان لاتے پھریں؟ قرآن نے اس ضمن میں اپنی رہنمائی کو نامکمل نہیں چھوڑا۔ اس کا اصولی فیصلہ ہے کہ ہر مخلوق میں رشد و ہدایت اسی مخلوق کے باشندوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

قل لوکان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکاً رسولا (۱۷/۹۵)۔

''ان سے کہو کہ انسانوں کو رسول بنا کر اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ دنیا میں انسان بستے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا کہ زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور سکونت پذیر ہوتے تو ہم ان کے لئے آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔''

اسی مضمون کی آیت سورۃ زخرف میں بھی ملتی ہے۔ (۴۳/۶۰)۔

اب اس سے زیادہ اور کیا وضاحت ہو کہ جب جنوں اور انسانوں دونوں کو ایک ہی رسول کا پابند کیا گیا ہے اور وہ رسول انسان ہے اور اس کی بابت دو ٹوک لفظوں میں صراحت کر دی گئی ہے:

قل یٰایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

''اے رسولؐ! تم تمام نوع انسان سے پکار کر کہہ دو کہ میں قبائل و اقوام کی قیود اور نسلی' وطنی اور مذہبی گروہ بندیوں کی حدود سے بلند ہو کر پوری کی پوری انسانیت کی طرف خدا کا پیغامبر بن کر آیا ہوں۔۔۔!'' (۷/۱۵۸)۔

صاحبو! یہ بڑی عجیب آیت ہے' بے حد گہرے معانی کی حامل۔ یہ تائید کر رہی ہے وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین کے مضمون کی' کہ تمام عالمین کی ہدایت کا سرچشمہ اب

صرف اور صرف ذاتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ حضور ﷺ کی اطاعت یعنی قرآن کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں کہ دنیا کا کوئی فرد قوانین خداوندی کا شعور حاصل کر سکے۔ اور ساتھ ہی تحدید و تخصیص کا اہتمام بھی کر رہی ہے کہ آپ ﷺ سے روشنی پانے کی فطری استعداد صرف بنی نوع انسان ہی رکھتے ہیں۔ ہاں تمام بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک علم کا یہ خوبصورت مدینہ کھلا رہے گا۔ رنگ و نسل، زبان و قوم، مذہب و ملت، جغرافیہ و تمدن۔۔۔۔ کسی نوع کی کوئی حد بندی نہیں۔ تمام انسانوں کے لئے فیض کے دروازے کھلے ہیں۔ صرف انسانوں کے لئے۔ ذرا اور گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو کسی غیر از انسان کی طرف آپ ﷺ کی بعثت ثابت کرنے سے (معاذ اللہ) آپؐ کی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔ ویسے یہ بڑی باریک بات ہے Fanatics تو شاید اسے کبھی نہ سمجھ سکیں۔

اب ظاہر ہے کہ ابتدا سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء و رسل تشریف لائے بلا استثنا سب کے سب نسل انسانی سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ تو کیا وجہ ہے کہ رسول تو تھے وہ انسانی نسل و ذریت سے اور مکلّف قرار دیئے گئے غیر از انسان ان پر ایمان لانے کے؟ درآں حالیکہ واقعہ یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان تھے اور ان پر ایمان لانے والے بھی انسان تھے۔

چنانچہ جہاں یہ فرمایا گیا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

''اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ انسان۔۔ خواہ وہ مہذب شہری ہوں یا صحرا کے خانہ بدوش غیر مہذب قبائل۔۔ ان کی تخلیق کی غرض و غایت اسی صورت میں پوری ہو سکے گی کہ یہ قوانین خداوندی کی اطاعت سے اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کریں اور انہیں نوع انسان کی پرورش عامہ کے لئے وقف کر کے عالمگیر نظام ربوبیت متشکل کر دیں''۔ (۵۶/۵۱)۔

چاہے اس آیت کا رسمی ترجمہ ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا''۔ کر لیا جائے لیکن ہر حال میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جنات صاحبان بھی نوع انسان کے افراد ہیں۔ وگرنہ خاکم بدہن خدا کے کلام میں تناقض کا عیب سامنے آتا ہے کہ ایک طرف یہ کہے کہ جن و انس کی طرف انبیاء لائے گئے۔ پھر یہ کہے کہ انبیاء انسان تھے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمائے کہ ان انبیاء پر جن و انس ایمان لائے۔ اس کے بعد یہ بھی کہے کہ انبیاء صرف انسانوں کی طرف

مبعوث ہوئے تھے (۵۷/۱۰، ۱۵۸/۷، ۲۸/۳۴) حل ان آیات کا یہی ہے کہ جن اور انس محض اسلوبیاتی تخصیص ہے ورنہ تھے دونوں ہی انسان کیونکہ بار بار یہ بیان ہو چکا ہے کہ غیر از انسان مخلوقات کی طرف تو انبیاء بھیجے ہی نہیں گئے۔ اگر بھیجے گئے ہیں تو ہر مخلوق اپنی مخلوق کے نبی پر ایمان لائے۔ مطلب یہ کہ جنات جن نبیوں پر ایمان لائیں۔ انسان نبیوں پر ان کا ایمان چہ معنی دارد؟ اگر کوئی یہ دور کی کوڑی لائے کہ انبیاء آئے تو انسانوں کی طرف تھے لیکن بالفرض کوئی غیر از انسان مخلوق (جنات وغیرہ) رضا کارانہ طور پر ان انبیاء کرام پر ایمان لانا چاہے تو اس مخلوق کے کسی Volunteer کو قبول ایمان سے روکا تو نہیں جا سکتا۔ بے شک روکا تو نہیں جا سکتا لیکن تدبر کیجئے یہاں معاملہ معکوس ہے کہ جنات پر لازم ہے کہ وہ ایمان لائیں ورنہ ان سے پرسش ہوگی۔ جیسا کہ اوپر آیت درج کی گئی ہے کہ ہم نے جن وانس کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لئے کیا ہے۔ ایمان نہ لانے والے اور صالح اعمال بجا نہ لانے والے کافر جنات کے لئے بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن و الانس.

''۔۔ اور انسانوں کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ۔۔ (انسان) مہذب اقوام ہوں یا (جنات) جاہل بادیہ نشین۔۔ وہ زندگی جہنم میں گزارتے ہیں۔۔۔''۔(۱۷۹/۷)۔

الا من رحم ربک ولذٰلک خلقهم و تمت كلمة ربک لا ملئن جهنم من الجنة و الناس اجمعين o

''ان اختلافات سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ لوگ قوانین خداوندی کا اتباع کریں۔ ایک صاحب اقتدار ہستی کے قانون کا اتباع کرنے سے اختلافات خود بخود مٹ جاتے ہیں۔ یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے ایسا قانون بھی عطا کر دیا ہے۔ انسان کو اس انداز سے پیدا کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ سے قانون خداوندی کے اتباع سے اپنے اختلافات مٹا کر ایک امت بن کر رہے۔ ایسا بالآخر ہو کر رہے گا۔ لیکن اس دوران میں جو لوگ علم و بصیرت سے کام لینے کے بجائے اپنے جذبات کے پیچھے لگے رہیں گے۔ وہ تباہیوں اور بربادیوں کے جہنم میں جائیں گے۔۔ خواہ وہ (انسان) شہروں کی مہذب آبادی سے

متعلق ہوں یا (جنات) بدوی اور صحرائی زندگی بسر کرتے ہوں۔ یہ ہمارا اٹل قانون ہے۔۔۔''۔(۱۱/۱۱۹)۔

ایسی ہی مزید انذاری آیات دیکھئے: (۱۴/۲۵' ۱۸/۴۶' ۳۹/۵۵اور ۳۸/۷)۔

لہٰذا جہاں جہاں رد ایمان اور اعمالِ بد یعنی قوانین خداوندی سے انکار کے گناہ میں انسانوں کی جماعتوں کو مستوجب سزا قرار دیا گیا ہے وہاں ویسے ہی اعمال قبیحہ و افعال شنیعہ کرنے کی خطا میں جنوں کے متعلق بھی کھلے لفظوں میں تنذیر کی گئی ہے کہ ان کی متعدد اقوام بھی جہنم کا ایندھن بنیں گی۔ اس لئے یہ طے ہے کہ جنات بھی پابند ہیں' مکلّف ہیں ایمان لانے کے سوان کے خوشی خوشی بغیر حکم خداوندی کے ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انبیاء کرام نے اِس دنیا میں' مرتب ہو کر سامنے آنے والے خوفناک نتائج اور یوم آخرت کی وحشتنا کی سے جنات کو بھی ڈرایا ہے مگر ہمارا مشاہدہ ہے کہ عملی طور پر تو انسانوں نے ہی خدا کے عذاب سے ڈر کر اپنی زندگیوں میں انقلابی تغیر پیدا کیا ہے (ویسے عہد موجود کا انسان بھی ''خوف خدا'' سے بے نیاز ہو چکا ہے' جنات کا کچھ پتہ نہیں کہ کس حال میں ہیں؟) کوئی غیر مخلوق کیسے ان اصول و مبادی کو اپنی طرز معاشرت اور اپنی ذوات کے طرز احساس کا حصہ بنا سکتی ہے؟ یہاں تو قدم قدم پر صراحت ملتی ہے کہ شرعی ضوابط کا یہ مجموعہ صرف مخصوص مخلوق (انسان) کے لئے مختص ہے؟ ضمنی سوال ہے کیا جنات بھی رضاعت' مہر' قصاص' کفالت' قانونِ وراثت' عائلی قوانین' طلاق' نکاح' خلع' عدت' ایلاء' دیت' حق شفع' پردہ' ربوٰ' حرمتِ خمر و میسر' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' عشر' جہاد' نظامِ عدل' خمس' تعدد ازدواج' فرائض وحقوق والدین واولاد' منہیات ومحرمات' تجہیز وتکفین' تحلیل وتحریم اور جملہ اوامر ونواہی اور قرآن کی ہر ہر آیت پر ویسے ہی عمل کے پابند ہیں جیسے انسان ہیں؟ ہاں یاد آیا جنوں کے ہاں معاشی نظام کی حد بندیاں کیا ہیں؟ یہ معلوم کرنا ہمارے لئے بے حد ضروری ہے کہ ہمیں ذاتی طور پر اس موضوع سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔

اچھا اگر جنات کے ہاں بھی سب کچھ ایسا ہی ہے (اگر قرآن ایک ہے' رسولؐ ایک ہیں تو منطقی طور پر دونوں کے لئے قوانین بھی ایک جیسے ہی ہونے چاہئیں) تو پھر جن وانس میں فرق کیا ہے؟ اس جہت پر غیر جانبداری سے غور کر لینے میں کیا مضائقہ ہے کہ جب تمام ضابطے' جملہ قوانین ان کے لئے بھی وہی ہیں تو پھر

سب امور و اوامر میں اشتراک کے سبب انہیں انسان قرار دے لینے میں کیا کچھ سہولت محسوس نہیں ہوتی ؟ اور جیسا کہ بزرگوں کے مطابق وہ حضرات انسان نہیں ہیں تو انہیں انسانی آئین و قوانین اور شرعی احکام کے مطابق عمل پیرا ہونے کی مصیبت ہی کیا پڑی ہے؟ ظاہر ہے دو بالکل الگ الگ مخلوقات کی طبعی حالتوں' فطری ضرورتوں' نفسیاتی تقاضوں' جسمانی مطالبوں کو ایک ضابطے' ایک قانون کے مطابق کیسے پورا کیا جا سکتا ہے؟ جو روحانیت کے قائل ہیں انہیں ضرور غور کرنا چاہئے کہ جب دونوں کی ذہنی بدنی حالتیں ایک نہیں تو دونوں کی روحانی حالتیں کیسے مشترک ہو سکتی ہیں؟ سو ہمارے پیروں کو چاہئے کہ وہ جنات کو ذرا سوچ سمجھ کر بیعت کیا کریں کہ جن کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔۔۔!

قرآن نے ایک اور مقام پر دیکھئے جن وانس کے اختلافات کو کتنے لطیف انداز میں تحلیل کر دیا ہے۔

لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان۔

جنت کی پاکیزہ بیبیاں جنہیں اس سے قبل جن و انس میں سے کسی نے چھوا تک نہیں۔ (۵۵/۵۷)۔

عروس القرآن سورۃ رحمٰن میں یہ آیت دو مرتبہ آئی ہے (۵۵/۵۷)۔

یوں تو ہمارے اسطور پسند مفسرین نے محولہ آیت پر خوب خوب حاشیے چڑھائے ہیں۔ زیب داستاں کی کرشمہ زائیوں کا مشاہدہ مطلوب ہو تو کوئی سی بھی روایتی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیجئے ماشاء اللہ افسانہ نگاری اپنے عروج پر ہے۔ مثلاً یہ روایت ڈھونڈ لی گئی کہ اہلِ یمن کی ایک قوم نے امام مالکؒ کو لکھا کہ یہاں ایک جن مرد ہے جو ایک انسان عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو امام مالکؒ نے کہا کہ اس میں کوئی برائی تو نہیں لیکن مجھے یہ ناپسند ہے کہ ایک عورت حاملہ پائی جائے تو وہ کہہ دے کہ یہ جن کی طرف سے ہے اور اسلام میں فتنہ بڑھے۔

بھئی بڑا شریف النفس جن تھا جس نے باقاعدہ اجازت طلب کی۔۔۔ کیا امام صاحب سے منسوب اس روایت کے وضعی ہونے کے لئے یہ دلیل ہی کافی نہیں کہ امام مالک علیہ الرحمتہ جیسے نابغہ صاحبِ فراست و دانش یہ فرمائیں کہ اس میں صرف یہ برائی ہے کہ شادی کے نتیجے میں وہ عورت Pregnant ہو جائے گی۔ مطلب یہ کہ ان کی نظر میں Pregnancy نہ ہونے کی صورت میں اس شادی میں کوئی برائی نہیں تھی۔ باقی یہ ذمہ داری جن کی تھی کہ وہ

اپنی انسان بیوی اور نیم انسان + نیم جن اولاد کو Own کرتا۔ کیا وہ اپنی ریگولر منکوحہ پر اتہام لگانے والوں کی سُرت ٹھکانے نہ لگا دیتا کہ بے ہودو! سب کی موجودگی میں تو میں اس عفیفہ کو بیاہ کر لے گیا ہوں اب کیا کہہ کر رہے ہو۔ چنانچہ اولاً تو وہ قذف کی حد جاری کرواتا نہیں، تو طیش میں آ کر خود ہی تہمت لگانے والوں کا مکو ٹھپ دیتا۔ لاحول ولا قوۃ! سیدھی بات کیوں نہیں کی جاتی کہ کسی جن اور انسان کے بیچ رشتہ مصاہرت ممکن ہی نہیں اگر جن کی نوع کوئی اور ہے۔ اگر واقعی وہ کوئی غیر مرئی مخلوق ہے تو وہ دولھا جن کیا برات لے کر آئے گا اور کسی انسان عورت کو بیاہ کر لے جائے گا؟ خبر نہیں ہماری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ویسے جو جنات کے الگ سے وجود کے قائل ہیں، انہیں چاہئے کہ ذات پات اور عقائد کے باب میں تسلی کر کے کچھ جنبانی سلسلوں کو فروغ دیں۔ کیا عجب اس قسم کی ہم کفو معاقدت، مناکحت اور مزاوجت خوشگوار تبدیلیوں کی موجب بن جائے۔

ایک اور آپس کی بات ہے جن و انس کے مابین جن روابط کو ہمارے عاملین حضرات شدومد سے بیان فرماتے ہیں اس تناظر میں کسی جن کا انسان عورت سے یا کسی جنی کا انسان مرد سے رشتۂ ازدواج میں بندھ جانا موجب تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ پریاں خوبصورت مردوں پر فریفتہ ہو جاتی ہیں اور پرانی داستانوں میں تو حسین و شکیل شہزادوں کو اٹھا کر لے جانے کی رومانوی وارداتیں عام ہیں۔ اسی طرح نوجوان لڑکیوں پر جنوں کا عاشق ہو جانا بھی معمول کی کارروائی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو عاملوں کے ہاں ''آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام'' کی مثل کے بامعنی ہونے کا کوئی مفہوم نہ ہوتا۔

قصہ کہانیوں سے ہٹ کر کیا کوئی صاحب کسی قطعی ثبوت کے ساتھ ان دو انواع کے مابین ازدواجی تعلقات کی ایک بھی Precedent فراہم کر سکتے ہیں؟ اور ایسی نظیریں اصولاً پیش کی جانی چاہئیں کہ قرآن میں آیا ہے جنت میں ایسی بیبیاں ہوں گی جنہیں نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا نہ کسی جن نے۔ مطلب بڑا واضح ہے کہ ان بیبیوں کا نہ کسی انسان اور نہ کسی جن سے رابطہ رہا ہو گا۔ اب کون نہیں واقف کہ انسان بیبیوں کا ازدواجی تعلق انسان مردوں سے تو رہا ہی کرتا ہے، چلئے مان لیا وہ کسی انسان کی دسترس میں نہیں رہی ہوں گی، پر یہ کیا کہ وہ جنات کے قبضے سے بھی پاک ہوں گی۔ پس ثابت ہوا کہ جتنا امکان ان کا انسان سے منسلک ہونے کا ہے، عین مین اسی قدر امکان جن سے منسوب ہونے

کا بھی ہے۔

بھائی! ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ فرمایا جاتا جنت میں انسانوں کے واسطے ایسی نیک سیرت انسان بیبیاں ہوں گی جن کا کسی انسان سے کبھی تعلق نہیں رہا ہوگا۔ بعینہٖ متقی جنوں کے لئے ایسی پارسا جنیاں ہوں گی جن کا کبھی کسی جن سے کسی نوع کا معاملہ نہیں رہا ہوگا۔ جن کے لئے جنی، انسان کے لئے ''انسانی''۔ مقامِ تفکر ہے کہ جب ایک مخلوق کی نسبت دو مخلوقات سے جوڑی گئی ہے تو صورتحال Crystal Clear ہے کہ اپنی نوع کے حوالے سے یہ دو مخلوقات ہیں ہی نہیں بلکہ ایک ہی مخلوق اور ایک ہی نوع ہے۔ بس ان کے ٹائٹل جدا جدا ہیں اور وہ کیوں؟ یہ تفصیل سابقہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے۔

ان تمام قرآنی براہینِ نیرہ میں دو ایک اور روشن ترین دلائل کا اضافہ کر لیجئے جو موضوع مذکور کی وضاحت میں حکمِ ناطق اور اتمامِ حجت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

و یوم نبعث فی کل امة شهیدا علیهم من انفسهم و جئنا بک شهیدا علیٰ هٰؤلاء۔

''جس دن یہ انقلاب آئے گا تو ہم ہر پارٹی کے اندر سے ان کے خلاف گواہ اٹھا کر کھڑا کریں گے اور ان سب پر تمہیں (یعنی حضورﷺ کو) گواہ لائیں گے۔ تمہاری گواہی یہ ہوگی کہ تم نے ان تک ہمارا وہ پیغام پہنچا دیا تھا.....''۔ (۱۶/۸۹)۔

اگر مروج تراجم کے مطابق ''یوم'' کا ترجمہ ''یومِ قیامت'' کر لیا جائے تو بھی ہمارے استدلال پر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اصل نکتہ اس آیت میں یہ پیش کیا گیا ہے کہ انبیاء جس نوع کی طرف مبعوث ہوتے ہیں وہ اسی نوع سے متعلق ہوتے ہیں۔ حضورﷺ اگر شہادت دیں گے تو اپنی امت کی دیں گے۔ اس اصول کی روشنی میں جنات اگر کوئی اور امت بلکہ اور نوع ہیں تو ان کی شہادت اسے ہی دینی چاہئے جو ان میں سے ہو۔ گویا قاعدے کی رو سے جن جنات کا شاہد ہو، انسان انسانوں کا۔

پرانے انبیاء بھی اس کلیے کے مطابق اپنی اپنی قوم کے گواہ بنیں گے۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنی قوم کی نسبت سے ہی اپنے ''شہید'' (گواہ) ہونے کا اقبال کیا ہے۔ (۵/۱۱۷)۔

کسی دوسری قوم/مخلوق/نوع کی ذمہ داری کا

بوجھ کوئی بھی رسول اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ اٹھائے بھی کیوں؟ جب وہ ان کی جانب مبعوث ہی نہیں کیا گیا۔ سلسلہ انبیاء کی آخری شخصیت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی کہیں گے ہاں میں نے جملہ انسانوں تک اس کتاب کی تعلیمات پہنچا دی ہیں جو تمام امور کو ابھار اور نکھار کر پیش کرنے والی ہے اور یہ شہادت تو انسانوں کی تمام جماعتوں کے نمائندگان کو بھی دینی پڑے گی۔ آخر کتمانِ حق کوئی آسان کام ہے؟

جب حضورﷺ بنی آدم میں سے ہیں تو محولہ صدر آیت کے مطابق وہ جملہ بنی آدم کے متعلق تو گواہ بن سکتے ہیں۔ دوسری غیر انسانی مخلوقات کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوسکتی۔ باقی مخلوقات کے ذمہ داران کے رسول ہونے چاہئیں جو ان میں سے ہی ہوں (اگر ان میں رسولوں کے ذریعے رشد و ہدایت کے سلسلے کو اللہ نے جاری کیا ہے)۔

اب جو جنات آپﷺ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے ہیں یا تو انہیں جزا سزا سے مستثنیٰ قرار دینا پڑے گا یا پھر انہیں انسان تسلیم کرنا پڑے گا۔ تیسری Option کوئی موجود نہیں ہے۔

اب دیکھئے اس قطعی آیت نے تو بحث کے دروازے کو ہی بند کر دیا ہے کہ حضورﷺ کن کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون۔

''جب کائنات کی یہ حالت ہے کہ اس میں تماماً وکمالاً خدا کا قانون چلتا ہے۔ یہ نہیں کہ اسکے ایک گوشے میں خدا کا قانون نافذ ہو اور دوسرے میں کسی اور کا۔ تو انسانی دنیا میں بھی یہی کیفیت ہونی چاہئے کہ تمام انسان ایک ہی قانون کے تابع رہیں۔ یہ وجہ ہے کہ ہم نے اے رسولؐ! تمہیں تمام نوعِ انسان کی طرف اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ تم لوگوں کو بتاؤ کہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے نتائج کس قدر خوشگوار ہوں گے اور ان کی خلاف ورزی کرنے کے عواقب کس قدر الم انگیز۔ نیز جو لوگ ان قوانین کی مخالفت میں آگے ہی آگے بڑھتے جائیں انہیں اس سے روکا جائے۔۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے حق وصداقت کے مسلک کے حاملین کو مجبوراً میدانِ جنگ میں آنا پڑتا ہے۔ لیکن اکثر

لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے اور اعتراض کر دیتے ہیں کہ انبیاء کرام نے جنگ کیوں کی؟'' (۳۴/۲۸)۔

یوں تو ''رحمۃ اللعالمین'' والی آیت بھی مقامِ محمدیتؐ کی ارفعیت پر محکم برہان ہے لیکن سورۃ سبا کی محولہ بالا آیت بھی آپﷺ کے شرف کو نہایت پرشوکت الفاظ میں ثابت کر رہی ہے۔ اس آیت نے واضح طور طر آپؐ کے مرتبے کو متعین کر دیا ہے کہ آپؐ خاتم النبین ہیں۔ اب قیامت تک کے تمام انسانوں کے ہادی صرف اور صرف آپﷺ ہیں۔ آپؐ سے پہلے جتنے مرسلین تشریف لائے ان کی نبوت کا مدار محدود تھا۔ کسی خاص قوم، کسی خاص علاقے، کسی خاص نسل کی راہنمائی کا فریضہ ان کے ذمے تھا لیکن حضورﷺ کو قانون ربانی (پہلی اور آخری بار) مکمل صورت میں عطا ہوا ہے۔ اب رہبری کا ہر اصول اسی قرآن سے ڈھونڈا جائے گا، نہ اور کسی مجموعے سے نہ اور کسی مدعی وحی و الہام سے۔

'للناس' فرما کر پھر وضاحت کر دی کہ آپﷺ جس نوع کے مرشد ہیں وہ نوع بنی نوع انسان ہے اور کوئی مخلوق نہیں۔ مراد یہ کہ جن تک آپؐ نے اپنی تعلیم پہنچائی وہ انسان ہی تھے۔ جو آپؐ کی تعلیم کے معترف ہوئے وہ بھی انسان ہی تھے۔ نہ آپؐ کسی اور مخلوق تک پیغامِ حق پہنچانے کے پابند تھے نہ کوئی اور مخلوق آپؐ کے پیش کردہ ضابطۂ حیات کو قبول کرنے پر مجبور تھی۔ لہٰذا جس جس ''مخلوق'' نے آپﷺ کو تسلیم کیا وہ اگر ''انسان'' نہیں بھی تھی تو اس تسلیم و رضا کی سعادت نے انہیں بھی شرفِ انسانیت عطا کر دیا۔ ایسا مبارک نبی تاریخ انبیاء میں اور کون ہے جس نے ازلوں اور نسلوں کے بگڑے ہوؤں کو دوبارہ حلقۂ آدمیت میں شامل ہونے کی عزت بخش دی؟ صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔

طلوع اسلام گیلری

شمعِ قرآنی کے ایک پروانے بزمِ طلوع اسلام کوئٹہ کے دیرینہ رکن عبدالرشید مرحوم نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل اپنا شوقیہ فوٹوگرافی کا ذخیرہ جس میں بابا جی کے ساتھ ذاتی اور مختلف کنونشنز کا فوٹو ریکارڈ تھا' بہت اچھے اور بڑے سائز میں پرنٹ بنوا کر تقریباً سو سے زیادہ تعداد میں کوئٹہ بزم کے حوالے کر گئے اور دنیا فانی سے رخصت ہو گئے۔ یہ سارے فوٹوگراف بزم طلوع اسلام کوئٹہ کے ایک ساتھی سی ڈی پر منتقل کر رہے ہیں۔ احباب سے گزارش ہے کہ اگر کسی کے پاس نئے یا پرانے کنونشنز یا بابا جی اور دیرینہ ساتھیوں کے ساتھ فوٹو ریکارڈ ہو تو وہ امانتاً کوئٹہ بزم کو ارسال فرما دیں جو کہ سکین کرنے کے بعد واپس کر دی جائیں گی۔ ہمارے یہ رفیق طلوع اسلام گیلری کی سی ڈی بنا کر محفوظ کر دیں گے' جس کی مزید نقلیں بھی تیار کی جا سکیں گی' تا کہ بعد میں آنے والے شائقین کے لئے وجہ دلچسپی و تسکین ہو سکے۔ ممکن ہو تو فوٹو کے ساتھ کیپشن لکھ دیں تا کہ نام اور تعارف بھی ممکن ہو جائے۔ خصوصاً بزموں سے استدعا ہے کہ فوٹو ریکارڈ کے لئے خصوصی تعاون کریں۔

المشتہر

بزم طلوع اسلام کوئٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی
azureabbas@hotmail.com

اللہ تعالیٰ کی اطاعت براہ راست نہیں ہوسکتی

ہمارے ہاں جب تفاسیر تحریر کرنے کی ابتداء ہوئی تو نہ صرف یہ کہ ملوکیت کا دور دورہ تھا بلکہ ملوکیت کے علاوہ کوئی اور نظام اس زمانہ کے مفکرین کے خیال میں آتا ہی نہیں تھا۔ بادشاہ کے لئے ظل اللہ کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ ان کے اذہان پر ملوکیت کا غلبہ اس درجہ چھایا ہوا تھا کہ عرصہ دراز سے نہ صرف اسلامی نظام منقرض ہو چکا تھا بلکہ اس کا تصور بھی بالکل ختم ہو چکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کریم میں جو آیات کریمات بطور اسلامی نظام اور دین کے، نہایت واضح اور صاف ہیں ''مذہب'' میں آکر وہ بالکل گورکھ دھندا بن گئی ہیں اور ان کا صحیح مفہوم کسی طرح سامنے نہیں آتا۔ جب وہ آیات ہیں ہی ''دین'' سے متعلق تو وہ ''مذہب'' کی سطح پر کس طرح حل ہوسکتی ہیں؟ ہمارے مفسرین کرام نیک دل، مخلص بھی تھے اور عالم و دانشمند بھی۔ انہوں نے نہایت درجہ محنت و جانفشانی سے یہ تفاسیر تحریر فرمائیں لیکن اس کا کیا علاج کہ ان سب نے، بغیر کسی استثناء واحد کے، یہ تمام تفاسیر ''مذہب'' کی سطح پر ہی تحریر کی ہیں۔ ''دین'' سے ان کا دور دور کا بھی علاقہ نہیں۔ اس وقت سے آج تک چونکہ مسلمانوں میں زبوں حالی برابر چلی آرہی ہے اور مغربی قوتوں کی Colonization کی وجہ سے اکثر ممالک میں مسلمان محکوم و مغلوب تھے، اس لئے وہ تفاسیر چلتی آرہی تھیں اور یہ خامی و سقم کہ یہ تفاسیر مذہب کی سطح کی تحریر کردہ ہیں، کسی تشویش کا موجب نہیں تھیں۔ لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے پاس آزاد ممالک ہیں اور ان میں قرآن کریم کو بطور دین جاری کرنے کا موقع بھی میسر آرہا ہے اور مسلمان اس کو بطور دین قائم کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں تو یہ تفاسیر ہمارا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔ اگر آپ کے سامنے خالص دین کا تصور ہے اور اس کے بعد آپ ان تفاسیر سے ہدایت و راہنمائی کے خواہاں ہیں، تو یہ تفاسیر آپ کی نہ صرف کوئی راہنمائی نہیں کریں گی بلکہ یہ قرآن فہمی میں ایک سدراہ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور پھر مجبوراً آپ کو مذہب کی سطح تک ہی رہنا پڑتا ہے۔

ہمارے ہاں برصغیر ہندو پاک میں قرآن کریم پر بہت کام ہوا۔ سرسید احمد خاں کے بعد علماء اہل قرآن نے اس پر کام کیا لیکن افسوس کہ یہ علماء کرام بھی مذہب کی سطح تک ہی رہے اور دین ان کے سامنے بھی نہیں آیا نیز یہ کہ وہ ''الصلوٰۃ'' کا ایک نزاعی مسئلہ پیدا کر کے خود ایک فرقہ بن گئے۔ ان کے اس رویہ سے مسلمانوں کو بجائے فائدہ ہونے کے نقصان ہوا۔ کیونکہ جب طلوع اسلام کی تحریک شروع ہوئی تو لوگ چونکہ اہل قرآن سے بدظن تھے' اور تحریک طلوع اسلام کو اس سے Confuse کرتے تھے' اس لئے اس کا نقصان تحریک طلوع اسلام کو برداشت کرنا پڑا اور اسی وجہ سے کئی ایک مضمون ان کے خلاف ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع کئے گئے۔

برصغیر ہندو پاک میں علامہ اقبال پہلی شخصیت تھے جنہوں نے اسلام کو بحیثیت دین کے پیش کیا۔ انہوں نے اس نظریہ کو اس قوت و اعتماد سے پیش کیا کہ مسلمانوں کا معتدبہ حصہ اس سے متاثر ہو گیا اور حصول پاکستان کی کشمکش میں اس نظریہ کو ہی اساس بنا کر پیش کیا گیا۔ علامہ موصوف نے اپنے بے شمار اشعار اور متفرق تحاریر میں اس منفرد نظریہ کو نمایاں کیا۔ لیکن ان کا اس موضوع پر کوئی جامع و مبسوط مضمون' جس میں اس موضوع کو آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے ثابت کیا گیا ہو' کمترین راقم سطور کے علم میں نہیں ہے۔ اس اہم و منفرد موضوع پر ہماری پوری تاریخ میں سب سے پہلا مضمون علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے ''اسلامی نظام'' کے نام سے تحریر کیا جو ماہنامہ طلوع اسلام میں تقسیم ملک سے پیشتر طبع ہوا تھا۔ اس مضمون کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ اس مضمون سے ''قرآن فہمی کی مسدود راہیں کشادہ ہونے لگیں اور جو آیات اس سے پیشتر مبہم و مغلق معلوم ہوتی تھیں وہ سہل الفہم ہو گئیں۔ موضوع چونکہ غایت درجہ اہم اور نہایت درجہ ضروری ہے اور بہت طویل عرصہ سے اس موضوع پر کوئی تحریر بھی نہیں آتی ہے' اس لئے زیر نظر مضمون میں کوشش کی گئی ہے کہ اس موضوع کو پھر سے سامنے لایا جائے اور اپنے مقدور کے مطابق اس موضوع کو واضح کیا جائے۔ نیز اس مضمون کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ آج کل ہمارے چند دانشور ملک میں سیکولرازم کے حامی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اگر پاکستان سیکولر سٹیٹ ہی رہے اور مذہب ذاتی معاملہ رہے تو اس سے مسلمانوں کو اختلاف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے' لیکن اس مضمون کے مطالعہ سے آپ پر یہ بات خود بخود واضح ہو جائے گی کہ مذہب تو ذاتی ہو سکتا ہے لیکن دین ذاتی نہیں ہو سکتا۔

نزولِ قرآن کے وقت اطاعتِ خداوندی کا طریقہ انفرادی تھا' کسی زاویہ یا کسی گوشہ میں عبادت کی رسوم ادا کر دی جاتی تھیں اور اس طرح انسان اور خدا کا

براہِ راست تعلق قائم ہو جاتا تھا۔ اطاعت خداوندی کا یہ طریقہ اب بھی تمام مذاہب میں مروج ہے۔ یہ صرف پرائیویٹ عقیدہ ہوتا ہے اور چونکہ مذہب کا کوئی علاقہ عملی زندگی سے نہیں ہوتا' اس لئے انہیں بھی زندگی گذارنے کے لئے کوئی نہ کوئی ضابطۂ حیات اختیار کرنا ہوتا ہے۔ اس کی واضح مثال ہمارے پڑوسی ملک بھارت کی ہے۔ وہاں کی ہندو آبادی اپنے مندروں میں جا کر مذہبی رسوم ادا کر لیتی ہے۔ لیکن دنیا میں عملی زندگی گذارنے کے لئے انہوں نے جمہوریت کا نظام اختیار کیا ہوا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت براہ راست نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے نزدیک اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان جس قدر اختلافات رونما ہوں ان کا فیصلہ قرآن کریم کے مطابق کرایا جائے۔ قرآن کریم کی رو سے فیصلہ کرانے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایک ایسا مقام ہو کہ جہاں سے نہ صرف اس کی رو سے فیصلہ کرایا جا سکے بلکہ وہاں سے وہ فیصلہ Implement بھی کرایا جا سکے۔ اس صورت حال میں مذہب میں تو ہر شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت انفرادی طور پر کرتا ہے' لیکن دین میں اس کی اطاعت اجتماعی طور پر کی جاتی ہے۔ مذہب میں اطاعت کے لئے' صرف خدا کی کتاب کافی ہوتی ہے۔ جبکہ دین میں خدا کی اطاعت کے لئے کتاب کے علاوہ کسی زندہ اتھارٹی' حاکم اعلیٰ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ اسلام دین ہے ایک ضابطۂ حیات ہے' مذہب نہیں ہے' اس لئے اس میں صرف اکیلی کتاب کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کتاب کے مطابق اطاعت خداوندی کرانے والا بھی ضروری ہے۔ رسول چونکہ وہ قوانین واحکامات جاری کرتا تھا' اس لئے رسول کی اطاعت ضروری ہوتی تھی۔ جو لوگ رسول کی اطاعت ضروری نہیں سمجھتے اور اطاعت کے لئے صرف قرآن کافی سمجھتے ہیں وہ اسلام کو دین کی بجائے مذہب کی سطح پر لے آتے ہیں کیونکہ اسلام کا نظام وقتی یا ہنگامی نہیں تھا اس لئے یہ اصول رسول کے بعد ان کے جانشینوں پر بھی خود بخود منطبق ہو جاتا ہے کہ چونکہ رسول کے جانشین رسول کے بعد اللہ کے احکام وقوانین جاری کرتے ہیں' اس لئے رسول کے بعد ان کی اطاعت' اللہ و رسول کی اطاعت ہو جاتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیماً (۴/۶۴)۔

پس اے رسول تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوشی خوشی اس کو مان لیں۔

اس بات پر اصرار کرنے کے لئے کہ اللہ کی اطاعت براہ راست نہیں ہوسکتی بلکہ اس کی اطاعت صرف نظام کی معرفت ہوتی ہے اور چونکہ رسول اس نظام کے سربراہ ہوتے ہیں اس لئے ہر فیصلہ کا تصفیہ ان سے کرانا لازمی ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدوداً (۴/۶۱)۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو کتاب نازل کی ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو منافقین کو دیکھتے ہو کہ تم سے کس طرح منہ پھیر لیتے ہیں۔

اگر دین کا تصور صحیح طور پر سامنے ہو تو آیات کا مفہوم واضح ہے۔دو سابقہ آیات کا مفہوم بطور دین پیش کیا گیا ہے اور دو آیات کا مفہوم بطور دین اور مذہب (صرف اسی موضوع سے متعلق) ملاحظہ فرمائیں۔تاکہ آپ کو خود بھی مذہب اور دین کا فرق معلوم ہو جائے۔ارشاد ہوتا ہے۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جائوک فاستغفروا اللہ و استغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (۴/۶۴)۔

اس کا عام ترجمہ یہ ہے کہ:

اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا تیرے پاس آتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشوا تا تو اللہ کو معاف کرنے والا پاتے۔

اس کی مروجہ تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) تفسیر القرآن مصنفہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی میں تحریر ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ جس رسول کو اپنے بندوں کی طرف بھیجتا ہے سو اسی غرض کے لئے بھیجتا ہے کہ اللہ کے حکم کے موافق بندے ان کے کہنے کو مانیں تو اب ضرور تھا کہ یہ لوگ رسول کے ارشاد کو بلا تامل پہلے ہی دل و جان سے تسلیم کرتے اور اگر گناہ اور برا کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کی معافی کی دعا کرتا تو پھر بھی حق تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا مگر انہوں نے تو غضب یہ کیا کہ اول تو رسول اللہ کے حکم سے جو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ہٹے اور بچے پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا تو اب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ لگے جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے پھر ایسوں کی مغفرت ہو تو کیونکر ہو؟ صفحہ ۱۱۵۔

(۲) فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا ان کے لئے اس کی اصلاح اور اس کے عواقب سے نجات کی واحد شکل یہ تھی کہ وہ رسول کی خدمت

میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے، خدا سے مغفرت کے طالب ہوتے اور رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کے ذریعہ سے ان کی سفارش کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا اور ان پر رحم فرماتا۔ اس کے سوا اس کی تلافی کی کوئی اور شکل نہیں۔ (تدبر قرآن، جلد۲، صفحہ۳۲۹)۔

(۳) یہ آیت توسل کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔ استغفار ایک دعا ہی ہے اس کے لئے براہ راست اللہ سے دعا کافی ہونا چاہئے مگر اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ پیغمبر کے پاس آ کے استغفار کریں اور پیغمبر ان کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعائے مغفرت کریں۔ بس یہی ہے ہر اس دعا کا مطلب جو کسی مقرب الٰہی کے روضہ پر جا کر کی جاتی ہے۔ دعا کو قبول کرنے والا اصل میں خداوند عالم ہی ہے مگر اس شخص کا جو کوئی دینی اہمیت رکھتا ہے وسیلہ اختیار کرنا اس دعا کو قبولیت کی منزل سے قریب کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ (فصل الخطاب، جلد دوم، صفحہ۲۳۰)۔

(۴) اور جب انہوں نے خود اپنا نقصان کر لیا تھا۔ آپ کے پاس آ جاتے۔ یعنی یہ بات ثابت ہو جاتی کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے آپ کے پاس آئے ہیں اور اللہ سے معافی کے طالب ہوتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کے طلب گار ہوتے۔ تو جان لیجئے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر مظہری، جلد۳، صفحہ ۱۰۱)۔

(۵) واگر این منافقان آن ہنگام کہ ستم کردند بر نفسہائے خود باانکار حکم تو یابہ تحاکم الی الطاغوت بیامدندی بحضرت تو بس طلب آمرزش کردندی از خدا و طلب آمرزش خواستی برائی ایشان رسول یعنی شفاعت کردی ایشان را ہر آئینہ یا فتندی یعنی دانستندی خدارا قبول کنندۂ توبۂ گناہگاران مہربان بآمرزش تائبان۔ (۴تفسیر حسینی صفحہ۱۸۹)۔

اب آپ اس آیۂ کریمہ کا دینی تصور ملاحظہ فرمائیں، پہلے الفاظ کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

اذ ظلموا انفسھم۔ جب وہ آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کریں۔

فاستغفروا اللہ۔ اللہ کے قانون سے بچاؤ طلب کریں۔ فاستغفرو اللہ کے یہ معنی غلط ہیں کہ وہ لوگ رسول کے پاس آ کر تسبیح لے کر بیٹھ جائیں اور استغفار کی تسبیح پڑھنے لگیں۔

استغفر لھم الرسول۔ کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ کا رسول مطاع (حکم) کی حیثیت سے تنازعہ کا فیصلہ

کر کے ان کے لئے بچاؤ طلب کرے' یہ معنی ہرگز نہیں کہ جن پر زیادتی ہوئی وہ اور رسول استغفار کا وظیفہ شروع کر دیں۔

لو جدوا اللہ تواباً رحیما۔ جب قرآنی حکومت اللہ کے قانون کے مطابق زیادتی کرنے والے کو سزا دیدے' تو قرآنی حکومت اس جرم کو معاف کر دے گی۔

اگر کوئی شخص کسی آدمی کا حق چھین لے یعنی اگر وہ کسی کے سو روپے دبا کر بیٹھ جائے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا شروع کر دے تو وہ خواہ ساری رات استغفار پڑھتا رہے' اس کا جرم اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح اگر ایسے شخص کے لئے اللہ کے رسول بھی استغفار کرتے رہے ہوں' تو پھر بھی اس کا جرم اللہ کی طرف سے معاف نہیں ہوگا۔ جب تک کہ وہ مال واپس نہ کر دے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ میں باہم ظلم وزیادتیوں کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے کہ جس پر ظلم ہوا ہے وہ حضورﷺ کے پاس آئے اور اللہ کے قانون کے مطابق انصاف کا طلب گار ہو۔ اللہ کا رسول قانون خداوندی کے مطابق ظالم کو بھی بلائے گا اور الگ الگ ان کے بیان سن کر حق دار کو اس کا حق دلا دے گا' تو اس کے بعد ہوگا اللہ معاف کرنے والا مہربان۔ نیز اس مجرم پر اس جرم کے سلسلہ میں دنیا کے علاوہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بھی کوئی بوجھ باقی نہیں ہوگا۔ (اپنے اپنے طور پر' اپنے اپنے ذہن کے مطابق خدا کی اطاعت' اطاعت خداوندی نہیں کہلا سکتی اس لئے) اگر کوئی شخص' خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی سے اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھے اور اس کے بعد اس پر نادم ہو تو (خدا اور بندے کے پرائیویٹ تعلق کے نظریہ کے ماتحت) وہ اپنے گھر میں بیٹھا توبہ کرے گا اور خدا سے معافی مانگ لے گا۔ لیکن دین کے نظام میں اس کی شکل مختلف ہوگی اس میں اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ (اے رسول) تمہارے پاس آئے اور اپنی لغزش کی سزا سے بچنے کے لئے قانون خداوندی سے حفاظت طلب کرے (اسے معافی مانگنا کہتے ہیں)۔

یہ معافی تم (اے رسول) ذاتی طور پر نہیں دے سکتے۔ اس کی معافی قانونِ خداوندی کی رو سے ہو گی۔ اس کے لئے تم دیکھو کہ قانون خداوندی میں اس معافی کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر گنجائش ہو تو تم اسے معافی دے دو۔

اس معافی کا حکم اگرچہ تمہاری طرف سے صادر ہوگا' لیکن درحقیقت خدا کی طرف سے معافی ہوگی۔ کیونکہ قانون خداوندی میں اس کی گنجائش نہ ہوتی تو تم معافی نہیں دے سکتے تھے۔

تم نے دیکھا کہ دین کے نظام میں مجرم' رسول اور خدا کا باہمی تعلق کیا ہوتا ہے۔ نہ مجرم براہ راست خدا

سے معافی طلب کرسکتا ہے نہ خدا اسے براہ راست معافی دیتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے نظام کی وساطت سے ہوتا ہے جو قوانین خداوندی کے نفاذ کے لئے قائم ہوتا ہے۔ اور جب یہ نظام اسے معافی دیتا ہے تو یہ معافی اس نظام کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ یہ اس کے قانون کے مطابق ملتی ہے۔ (مفہوم القرآن۔مصنفہ پرویز' صفحہ ۱۹۹)۔

آیات کی مذہبی اور دینی تفسیر آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ سارا تفسیری لٹریچر اسی باہمی تفاوت سے بھرا پڑا ہے۔ جو گروہ بھی اقامتِ دین کے لئے کوشش کناں ہوگا اسے اس دقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حیرت تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں پاکستان میں' وقت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر جو جماعتیں اقامتِ دین کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں وہ بھی ان آیات کی سابقہ تشریح کو' جو مذہب کی رو سے کی گئی ہے' من وعن تسلیم کر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ ایران میں جہاں کہ بزعم خویش اسلامی نظام قائم کر دیا گیا ہے' وہاں بھی ان آیات کا سابقہ مفہوم قبول کیا گیا ہے۔ ایران کا زمانۂ حال کا تحریر کردہ لٹریچر' جتنا کچھ بھی یہاں آیا ہے' اسکے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سب کا سب مذہب کی ترجمانی کر رہا ہے نہ کہ دین کی۔

نیز ارشاد ہوتا ہے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر (۴/۵۹)۔

خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ اختیار ہوں ان کی اطاعت کرو اور اگر تم میں کسی بات میں جھگڑا ہو' پس اگر تم خدا اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اس میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

اس آیۂ کریمہ میں پھر اس بات پر اصرار ہے کہ نظام کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اللہ و یوم آخرت پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اپنے سارے فیصلے اللہ و رسول سے کرائے جائیں۔

اس آیۂ کریمہ میں جو بات نہایت غور کی متقاضی ہے وہ ردّوہ الی اللہ و الرسول کا طریقہ ہے اور یہاں سے ہی وہ لغزش لگتی ہے جس سے دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں اسلامی نظام کا پورا نقشہ دے دیا گیا ہے۔ چونکہ اللہ کے دیئے ہوئے قوانین کو رسول جاری کرتا ہے' اس لئے ان قوانین کی اطاعت' اللہ اور رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ کا دیا ہوا نظام جس کو حضور ﷺ نے عملاً جاری فرمایا تھا اس کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی۔

حضورﷺ نے یہ نظام شروع شروع میں مدینہ شریف میں جاری فرمایا اور چند سال کے اندر اندر یہ نظام سارے عرب شریف میں وسیع ہوگیا۔ اس نظام میں تمام جھگڑوں کے فیصلے کے لئے حضورﷺ کے پاس آنا ضروری تھا۔ لیکن جب وہ نظام تمام عرب شریف میں پھیل گیا تو لوگوں کے لئے مدینہ شریف آنا مشکل ہوگیا۔ فلہٰذا حضورﷺ نے ہر علاقہ کے لئے مقامی حکام مقرر فرما دیئے۔ ان مقامی افسران کی اطاعت بھی اللہ ورسول کی اطاعت تھی۔ لیکن اس میں ایک اہم فرق یہ تھا کہ مقامی افسران کا فیصلہ حتمی، قطعی (Final) نہیں ہوتا تھا بلکہ ان فیصلوں کی اپیل مرکز میں حضورﷺ کے سامنے کی جا سکتی تھی۔ ان ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف مرکز میں اپیل ہو سکتی تھی یہ ہے مطلب فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول کا۔ اور چونکہ یہ نظام وقتی نہیں تھا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہنا تھا اس لئے حضورﷺ کے بعد ردوہ الی اللہ و الرسول سے مراد حضورﷺ کے جانشینوں کی طرف فیصلوں کے لئے رجوع کرنے کا حکم تھا جو کہ ایک زندہ اتھارٹی کی حیثیت سے اس تنازع کا فیصلے کرے اور اس کو نافذ کردے۔ آیہ کریمہ کا یہ مفہوم دین کی حیثیت سے ہے، اب اس کا روایتی مذہبی مفہوم ملاحظہ کریں۔

(۱) فردوہ الی اللہ و الرسول۔ تو اس مسئلہ کو اللہ کی طرف یعنی اللہ کی کتاب کی طرف موڑو اور رسول کی طرف پھیرو جب تک وہ زندہ ہے اور وفات کے بعد ان کی سنت کی طرف رجوع کرو۔ (اور یہاں سے ہی دین مذہب میں بدل جاتا ہے۔ یعنی جانشین جو کہ زندہ ہے اتھارٹی ہے۔ اس کی بجائے سنت یعنی کتب روایات کی طرف رجوع کرو۔ قوسین راقم سطور کی طرف سے ہیں)۔ (تفسیر مظہری، جلد۳، صفحہ ۹۷)۔

(۲) اور اگر تم میں اور اولوالامر میں باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا یہ حکم اللہ ورسول کے حکم کے مطابق ہے یا مخالف تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کر کے طے کرلیا کرو کہ وہ حکم فی الحقیقت اللہ ورسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف۔ (تفسیر قرآن، از حضرت العلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی)۔

(۳) رد الی اللہ و الرسول کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی امر شریعت کا حکم معلوم کرنا ہو تو پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرے اگر اس میں نہ ملے تو نبی کی سنت کی طرف رجوع کرے۔ اگر اس میں بھی نہ ملے تو پھر اس کے معلوم کرنے کا راستہ اجتہاد ہے۔ (تدبر قرآن، جلد۲، صفحہ ۳۲۵)۔

(۴) فردہ الی اللہ پس باز گرد انید

آنرابہ کتاب خدا و الرسول و رجوع کنید بارسول درزمان حیات او و سنت انحضرت بعد از وفات او۔ (تفسیر حسنی، صفحہ ۱۸۷)۔

ان اقتباسات کو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ان میں اللہ سے مراد قرآن کریم اور رسول سے مراد سنت رسول اور عملاً کتب روایات ہیں۔ یعنی اطاعت رسول کا یہ طریقہ ہے کہ حضورﷺ کے بعد جو کوئی بھی ان کے نام سے کچھ کہہ دے، اس کی اطاعت کر دی جائے۔ اب آپ اس آیہ کریمہ کا مفہوم بطور دین ملاحظہ فرمائیں اور اس کے بعد قرآنی مفاہیم کی تائید میں قرآنی دلائل پیش کئے جائیں گے۔

''نیز یہ بھی ضروری ہے کہ تم اس نظام کی پوری پوری اطاعت کرو جسے قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے رسول نے قائم کیا ہے اور اس نظام کے مرکز کے مقرر کردہ نمائندگان حکومت (افسرانِ ماتحت) کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں اور افسران ماتحت میں، کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کے لئے مرکز کی طرف رجوع کرو۔ یعنی افسران ماتحت کے فیصلوں کے خلاف، مرکزی اتھارٹی سے اپیل کرو۔ جو اس معاملہ کا قوانین خداوندی کے مطابق فیصلہ کر دے گی (۴/۱۰)۔ مرکزی اتھارٹی کے فیصلہ کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی اس کا فیصلہ آخری ہوگا اور چونکہ وہ فیصلہ قانون خداوندی کے مطابق ہوگا جس پر تم ایمان رکھتے ہو، اس لئے اس فیصلہ کو بطیّب خاطر تسلیم کرو۔ اس کے خلاف دل میں کوئی گرانی محسوس نہ کرو (۴/۶۵)۔ یہ شہادت ہوگی اس بات کی کہ تم واقعی خدا کے ضابطۂ حیات، اور قانونِ مکافاتِ عمل اور حیات اخروی پر یقین رکھتے ہو۔ یہ روش نہایت عمدہ اور انجام کار معاشرہ کا صحیح صحیح توازن قائم رکھنے کا موجب ہوگی۔ (مفہوم القرآن، مصنفہ پرویز، صفحہ ۱۹۷)۔

جو بات اسلام کو دین کے بجائے مذہب میں تبدیل کر دیتی ہے وہ صرف یہی ایک بات ہے کہ آیا اللہ و رسول کی اطاعت انفرادی طور پر صرف مجرد قرآن و حدیث سے کی جا سکتی ہے یا اس کتاب کے مطابق اطاعت خداوندی کرانے والا بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم کا یہی حکم ہے کہ ان احکامات کی اطاعت کرانے والا ضرور موجود ہونا چاہئے۔ کتابوں کی از خود اطاعت مذہب میں ہوتی ہے۔ دین میں ممکن نہیں۔ دین میں تو ایک اتھارٹی ان احکامات کو نافذ کرتی ہے۔ مومنین ان کو سنتے ہیں، اور پھر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ احکامات خداوندی کی اطاعت سے پہلے ان کی سماعت لازمی و لابدی چیز ہے۔ جب قرآن کریم نے اطاعت کے لئے

سماعت کو اس کا Pre-requisite قرار دیا ہے تو پھر بغیر ایک ناطق اتھارٹی یا ایک حاکم اعلیٰ کی موجودگی کے سماعت و اطاعت کیسے ہوسکتی ہے۔ سماعت کی شرط کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا و الیک المصیر (۲/۲۸۵)۔

اور کہنے لگے (اے ہمارے پروردگار) ہم نے سنا اور مان لیا۔ پروردگار ہمیں تیری مغفرت کی خواہش ہے۔

(۲) یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون (۸/۲۰)۔

اے ایمان والو۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو جبکہ تم سن رہے ہو۔

(۳) انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ و رسولہٖ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا و اطعنا و اولٰئک ھم المفلحون (۲۴/۵۱)۔

ایمان داروں کا قول تو بس یہ ہے کہ جب ان کو خدا اور اس کے رسول کے پاس بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کر دیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم) سنا اور مان لیا اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

(۴) فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا و اطیعوا و انفقوا خیراً لانفسکم ومن یوق شح نفسہٖ فاولئک ھم المفلحون (۶۴/۱۶)۔

تو جہاں تک تم سے بن پڑے خدا سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور مانو اور اپنی بہتری کے واسطے خرچ کرو۔ اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ مرادیں پانے والے ہیں۔

(۵) اذ قلتم سمعنا و اطعنا و اتقوا اللہ ان اللہ علیم بذات الصدور (۵/۷)۔

جب تم نے یہ کہا تھا کہ ہم نے (احکامِ خدا کو) سنا اور مان لیا اور خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ خدا دلوں کے اسرار سے باخبر ہے۔

ایک بات یہ بھی حیرانی کی ہے کہ آیہ کریمہ (۴/۵۹) میں ہمارے علماء کرام اولی الامر کو تو زندہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ نہ ہوں تو پھر ان سے تنازعہ کیسا اور اللہ و رسول کی جگہ زندہ شخصیت کی بجائے کتابوں کو ان کا قائم مقام بنا دیتے ہیں۔ یہ نہایت ہی تعجب انگیز بات ہے یا للعجب۔

جہاں تک اطاعت کی اس شکل کا تعلق ہے جو ہم عبادت و رسوم کی صورت میں انفرادی طور پر ادا کرتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ تو یہ بھی آج کل مذہب کی شکل میں ہی ادا کی جاتی ہیں۔ دین میں یہ سب بھی نظام کے ماتحت ادا ہوتی ہیں۔ چونکہ نظام کے ماتحت ہی اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، اجتہاد، یہ سب نظام کے ماتحت ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلے صلوٰۃ و زکوٰۃ آتی ہیں۔ ان کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتو الزکوٰۃ (۲۲/۴۱)۔

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ۔

اس آیہ کریمہ کی رو سے ان دونوں چیزوں کے لئے تمکن نظام، شرط قرار دی گئی ہے۔ اس آیہ کریمہ کے دو ترجمے ہو ہی نہیں سکتے۔ اس میں اِن صرف شرط ہے جو تمکن نظام کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اس سے مفر ہو ہی نہیں سکتا۔ آیت اس درجہ واضح ہے کہ تاویل کی کوئی راہ نہیں چھوڑتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے فتح الرحمٰن میں تحریر فرمایا ہے۔

آنانان راکہ اگر دست رس دہیم ایشانرا درزمین برپاد ارند نماز را و بدہند زکوٰۃ را۔

اس آیت کے ذیل میں تفسیر حسینی میں مرقوم ہے۔

اگر جائے دہیم ایشان را در زمین و دستگاہ و اختیار یابند، بپائے دارند نماز را بحیثیت تعظیم من وبدہند زکوۃ مال را بحیثیت مساعدت بندگان من۔

آپ اس آیہ کریمہ کی تشریح وتفسیر میں ۵۰ مزید تفاسیر ملاحظہ فرمالیں کوئی مفسر اس سے نہیں سرک سکتا کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے لئے تمکنِ نظام لازمی ہے۔ مفسرین خواہ اس شرط سے نکلنے کے لئے کتنے ہی ہاتھ پاؤں کیوں نہ ماریں، یہ شرط، تمکنِ نظام کی، وہ نظر انداز Ignore نہیں کر سکتے۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ نظام کے ماتحت ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی، انہیں اقتدار حاصل ہو گیا، یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے اور یہ تمام نوع انسانی کو سامانِ نشو ونما پہنچائیں گے۔

نیز یہ کہ حضورﷺ کو حکم تھا کہ جب وہ خود موجود ہوں تو صلوٰۃ کی امامت وہ خود فرمائیں۔

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ (۴/۱۰۲)۔

جب تم مسلمانوں میں موجود ہو تو تم ان میں صلوٰۃ قائم کرو۔

اس آیہ کریمہ کے اگلے حصہ میں صلوٰۃ کی وہ شکل بیان کی گئی ہے جو میدان جنگ میں اختیار کی جاتی ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ کی یہ تدبیر بتائی گئی ہے کہ ایک گروہ اسلحہ کے ساتھ حضورﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرے' دوسرا گروہ حفاظت کا فریضہ ادا کرتا رہے جب فوج کا پہلا حصہ سجدہ کر چکے تو وہ پیچھے ہٹ کر حفاظت ونگرانی کا کام شروع کر دے اور دوسرا گروہ جس نے اب تک نماز نہیں پڑھی تھی وہ حضورﷺ کے پیچھے اسی مسلح حالت میں نماز ادا کر دے۔ نماز دونوں گروہ حضورﷺ کے پیچھے ادا کریں گے کوئی شخص حضورﷺ کی اقتداء کے بغیر نماز ادا نہیں کر سکے گا۔ اس آیہ کریمہ میں ''معک'' کا لفظ دو بار استعمال کیا گیا ہے۔ حضورﷺ کی موجودگی میں نہ کوئی امیرِ صلوٰۃ ہو سکتا تھا نہ کوئی انفرادی نماز براہ راست پڑھ سکتا تھا اور نہ کوئی براہ راست اللہ کی اطاعت کر سکتا تھا۔

آج ہمارے دور میں تو جنگ کی صورت ہی بالکل مختلف ہو چکی ہے۔ اس وجہ سے حالات کے تقاضے کے مطابق اقامتِ صلوٰۃ کی جو شکل اختیار کی جائے وہ جائز ہوگی۔ اس آیہ کریمہ میں صرف اصول بیان کر دیا گیا ہے کہ صلوٰۃ کے لئے شرط ہے کہ جب آپؐ موجود ہوں تو آپؐ کی موجودگی میں اور کوئی شخص امیرِ صلوٰۃ نہیں ہو سکتا اور آپؐ کے بعد امیرِ جنگ یا سپہ سالار فوج جسے خود آپؐ نے مقرر کیا ہو' وہ امیرِ صلوٰۃ ہو کر صلوٰۃ ادا کرائے۔ ہمارے ہاں جو آج کل محلّہ کے نمازیوں کے مقرر کردہ امام نماز ادا کرتے ہیں تو یہ مذہب کی نماز ہے۔ یہ دین کی صلوٰۃ نہیں ہے جس میں امامت کرنا عمال حکومت کا فریضہ ہوگا۔

سورۂ حج کی مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی روشنی میں جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے تو اسلامی حکومت کا فریضہ ایتائے زکوٰۃ۔ زکوٰۃ دینا ہے۔ یعنی افراد معاشرہ کو سامانِ نشوونما عطا کرنا۔ اس اعتبار سے حکومت کی ساری آمدنی Revenue کو زکوٰۃ کہا جا سکتا ہے جسے وہ افراد معاشرہ اور اس کے بعد پوری نوع انسانی کو دینے کے لئے حاصل کرے گی۔ اس کے لئے وہ کیا انتظام کرے گی اور لوگوں کی آمدنی میں سے کس قدر لے گی اور کس قدر لوگوں کو دے گی' اس کا تعین حکومتِ اسلامی وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق متعین کرے گی۔ زکوٰۃ کسی خاص ٹیکس کا نام نہیں ہے۔ اس پر انفرادی طور پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا پورا Process نظام کی تحویل میں ہوتا ہے۔

یہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں منکرین زکوٰۃ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے تو اس کی بھی اصل یہ نہیں تھی جو بیان کی جاتی ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تھے۔ بلکہ اس واقعہ کی اصل حقیقت یہ تھی کہ ان لوگوں (اہل یمن) کا موقف یہ تھا کہ وہ اپنی ساری آمدنی (زکوٰۃ)

صرف اپنے صوبہ یمن میں خرچ کریں' یمن کے علاوہ اور کسی جگہ یہ خرچ نہ ہو' جبکہ حضرت ابوبکرؓ کا اصرار تھا کہ Revenues پہلے مرکز میں مدینہ شریف آئیں اور پھر مرکز اپنی صوابدید کے مطابق اس رقم (زکوٰۃ) کو خرچ کرے' خواہ ان کی پوری کی پوری رقم واپس یمن چلی جائے لیکن ایک مرتبہ اس کا مرکز میں داخل کرنا ضروری تھا۔ اسی وجہ سے ہماری کتب روایات وتواریخ میں ان کو منکرین زکوٰۃ کے بجائے مانعین زکوٰۃ کہا گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ مرکز کو مضبوط رکھنا چاہتے تھے۔

اجتماعات حج کے انعقاد اور نظم ونسق کا فریضہ بھی مسلم ممالک کی حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ عالم اسلامی کا وہ عالم گیر اجتماع ہے جو امت مسلمہ کے مرکز کعبہ شریف میں اس غرض سے منعقد کیا جاتا ہے کہ امت کے مسائل کا حل قرآن کریم کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔ جو تجاویز متفقہ طور پر طے ہوئی ہوں گی۔ حج کے آخر میں امام کعبہ ان کا سال بہ سال اعلان کرے گا۔ اور سال بھر مسلم ممالک کی حکومتیں ان پر عمل درآمد کریں گی۔ حج کے وفود حکومت کی سرکردگی میں جائیں گے' جیسا کہ ۹ ہجری کا حج حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارت میں ادا ہوا تھا۔ باقی رہا جہاد' تو جہاد تو حکومت اسلامی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جہاد کے لئے اولیں شرط ہے کہ پہلے اسلامی حکومت اس کا برملا اعلان کرے' چوری چھپے' خفیہ طور پر' فرداً فرداً جہاد نہیں ہو سکتا۔

سورۃ توبہ میں ان اللہ یحب المتقین (۹/۴) کی تفسیر کے سلسلہ میں 'تدبر قرآن' میں مرقوم ہے۔

''(اس آیت) میں جس تقویٰ کا ذکر ہے' یہ انفرادی تقویٰ نہیں بلکہ اجتماعی وسیاسی تقویٰ ہے۔ اسلام جس طرح ہر شخص سے انفرادی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے اسی طرح مسلمانوں سے من حیث الجماعت اجتماعی اور سیاسی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔ یعنی مسلمان دوسری قوموں سے جو معاملات اور معاہدات کریں ان میں راست باز' صداقت شعار اور وفادار رہیں' کسی عہد اور قول وقرار کی کوئی ادنیٰ خلاف ورزی نہ کریں۔ خدا ایسے ہی متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور خدا جن کو دوست رکھتا ہے وہی دنیا و آخرت میں برومند اور فائز المرام ہوتے ہیں۔'' (تدبر قرآن' جلد۳' صفحہ ۵۳۹)۔

تقویٰ تو پیدا ہی اسلامی حکومت کی اطاعت وفرمانبرداری سے ہوتا ہے۔ جو شخص جس قدر اسلامی حکومت کے احکامات کی بجا آوری کرے گا' اسی درجہ اس کا تقویٰ بڑھتا چلا جائے گا۔

دعا کی بھی یہی صورت ہے۔ دعا میں ایک پہلو تو دعا کرنے والے کی ذاتی تسکین وتسلی سے متعلق ہوتا ہے

لیکن حقیقی معنے اس کے قانون خداوندی سے مدد مانگنا اور اس کے احکام وقوانین کی اطاعت کرنا ہے۔ اسی دعا کا حکم حضور علیہ السلام کو دیا گیا تھا کہ قل انما ادعوا ربی ولا اشرك بہٖ احداً (۷۲/۲۰)۔ ان سے کہہ دو کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ یعنی اس کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا۔ کیونکہ حکومت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی زیب دیتی ہے اور اسکی عملی شکل وہ ہے جو حضرت عمرؓ نے بیان فرمائی تھی کہ میں یہاں اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے اس لئے بیٹھا ہوں کہ تمہاری دعاؤں کو اللہ تک جانے سے روک دوں، یعنی ان کو پورا کر دوں۔ اسلامی حکومت کا سربراہ، مملکت کے باشندوں کی دعائیں پوری کرتا ہے اور ان کی دعاؤں کا پورا کرنا اسلامی نظام کا فریضہ ہے اور اس طرح مومنین کی دعائیں پوری ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دور میں عملاً یہ کچھ ہو بھی رہا تھا۔ افسوس کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کی وجہ سے یہ دور جلدی منقرض ہو گیا۔ اگر حضرت عمرؓ کو شہید نہ کیا جاتا اور انہیں دس پندرہ سال حکومت کرنے کے مل جاتے تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ عاش سعیداً ومات شہیداً رضی اللہ عنہ۔

مضمون آپ نے ملاحظہ فرمایا، ملخص اس کا صرف اتنا ہے کہ

(۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت براہ راست نہیں کی جا سکتی، اس کی اطاعت اس نظام کی معرفت ہوتی ہے جو اس کا رسول قائم کرتا ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی خدا کی اطاعت صرف اور صرف اس نظام کے ماتحت ہو سکتی ہے جو حضور ﷺ نے قائم فرمایا تھا وہ نظام کوئی وقتی یا ہنگامی نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے کے لئے تھا۔ اگر وہ نظام قائم نہیں ہے تو ہم اطاعت خداوندی جیسے فریضہ سے محروم ہیں۔ اس لئے ہم سب پر اس نظام کا قائم کرنا ضروری ہے۔

(۳) نظام کے قیام میں یہ رکاوٹ ہے کہ جو آیات نظام کی متقاضی ہیں اور جن سے ایک جیتی جاگتی شخصیت اور ایک زندہ، ناطق، مرکز کے وجود پر دلالت ہوتی ہے، ان کی غلط تعبیر وتوجیہہ کر کے، ان سے مراد کتب وروایات لے لی جاتی ہیں۔ جس کی عملی تعبیر یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد جو کوئی بھی ان کے نام سے کچھ کہہ دے ہم اس کی اطاعت کرنے لگیں۔ قرآن کریم حضور ﷺ کا جانشین زندہ شخصیت، ایک ناطق مرکز قرار دیتا ہے۔ لیکن علماء کرام حضور ﷺ کا جانشین کتب و روایات اور ایک صامت ذریعہ کو قرار دیتے ہیں۔

(۴) وہ انفرادی اطاعت جسے ہم 'عبادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ بھی نظام کے ماتحت ادا ہوتی ہیں

بغیر نظام کے قیام کے ان کے نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ غیر خداوندی نظام میں زندگی بسر کرنا حرام ہے کیونکہ قرآن کریم کے نزدیک تو مومن وہ ہے جو قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ واحد' مکمل اور آخری ضابطۂ حیات خیال کرے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں نظام خداوندی (جو قرآن کریم پر مبنی ہو) کے قیام کے لئے پوری پوری کوشش کرے۔ وہ جس ملک اور مقام میں بھی ہو' وہیں سے اس جدوجہد کو شروع کر دے کیونکہ نظام خداوندی کسی مقام یا کسی دور سے مختص نہیں ہے۔ اس کی پوری پوری کوشش یہی ہو کہ تمام باطل نظامہائے حیات کو اکھیڑ کر پھینک دے اور اللہ کی زمین پر صرف اور صرف اللہ کے قانون اور اس کے نظام کو جاری کر دے۔ اس لئے کہ اسی نظام کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے از بسکہ ضروری ہے کہ ان کا دیا ہوا نظام جاری کریں۔ جو لوگ اللہ کے نظام کے علاوہ کسی بھی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر بخوشی رضامند ہوں وہ اللہ اور رسول کے' باغی' نافرمان اور مجرم ہیں خواہ وہ کتنے ہی نماز روزوں کے پابند ہوں۔

و آخر دعواهم ان الحمدلله رب العالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وزیر محمد جعفر، کامونکی
wazeer254@hotmail.com

بے چاری سونیا ناز اور ڈاکٹر شازیہ

اخباری اطلاعات کے مطابق ابھی تک ایف آئی آر درج نہ ہوئی ہے۔ملزمان پولیس کی حراست میں ہیں۔تحقیقات کے لئے ٹریبونل قائم کیا گیا ہے لیکن ابھی تک پیش رفت نہ ہوئی ہے۔ بے چاری سونیا ناز کو انصاف ملے نہ ملے لیکن بین الاقوامی میڈیا میں اس کیس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔انصاف میں جتنی تاخیر ہوگی اتنی ہی ملک کی بدنامی ہو گی۔چونکہ اس کیس میں بااثر پولیس آفیسرز ملوث ہیں انصاف کی توقع رکھنا عبث ہے۔اس کیس کا فیصلہ چاہے سونیا ناز کے حق میں ہو، چاہے پولیس آفیسرز کے حق میں۔لیکن یہ بات طے ہے کہ ہماری پولیس کا رویہ نہایت اخلاق سے گرا ہوتا ہے۔رشوت لینا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ٹریفک پولیس کو ہی لیجئے سرعام رشوت لیتے ہوئے میں اکثر نظارہ کرتا ہوں۔یقین نہ آئے تو آپ گوجرانوالہ شہر کی ٹریفک پولیس کا امتحان لے کر دیکھ لیں۔

یہاں پر میں اپنے ساتھ ہونے والے واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہوا یوں کہ میرا بھتیجا علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں کنٹریکٹ پر کلرک بھرتی ہوا۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے اپنے قواعد وضوابط کے مطابق اسے (Permanent) کر دیا۔اور اس کی SPOT VERIFICATION سٹی پولیس کامونکی کے ذمہ لگائی۔اس سلسلہ میں ایک پولیس اہلکار ہمارے گھر آیا اس نے کہا کہ ناظم یا کسی کونسلر سے لکھوا دیں کہ وہ آپ کے بھتیجے کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔اور اس کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہ ہے۔نہ ہی ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے۔میں نے فوری طور پر فون کر کے کونسلر کو بلوا لیا اور اس کونسلر نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی مذکورہ ملازم کسی سیاسی جماعت کا رکن نہ ہے اور نہ ہی ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے۔کونسلر چلا گیا۔ جب پولیس اہلکار جانے لگا تو اس نے کہا کہ 1000 روپے ادا کر دیں۔میں نے پوچھا کہ کس بات کے 1000 روپے ادا کروں؟ تو اس نے کہا کہ اگر رقم ادا نہ کی گئی تو VERIFICATION REPORT آپ کے بھتیجے کے خلاف چلی جائے گی ۔ کیونکہ ان

1000 روپوں کے تین حصے ہوں گے ایک حصہ SHO کو جائے گا۔ دوسرا حصہ SSP آفس میں جائے گا جبکہ تیسرا حصہ میں خود رکھوں گا۔ میں نے کہا کہ میرے پاس ابھی تو اتنی رقم نہیں ہے۔ تو اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں میرا سیل نمبر لکھ لو جب رقم کا انتظام ہو جائے تو مجھے کال کر دینا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے اس پولیس اہلکار کے متعلق SSP آفس کے ملازم سے شکایت کی تو اس نے کہا کہ کیا فرق پڑتا ہے 1000 روپے آپ دے دیتے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ تو رشوت کے طور پر مانگ رہا ہے۔ میں نے حدیث بھی سنائی کہ ''رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔'' اس ملازم نے کہا کہ یہاں تو ایسے ہی چلتا ہے۔ چلیں میں آپ کو کم کروا دیتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے ایک صوبائی وزیر کے قریبی ساتھی سے بات کی تو اس نے کہا کہ رشوت تو آپ کو دینی ہی پڑے گی لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ میں رقم کم کروا دوں۔ میں نے کامونکی پریس کلب کے دفتر میں بات کی تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ 500 روپے تک رقم معقول ہے۔ آخر کار 500 روپے دیکر جان چھڑائی۔

قارئین آپ نے دیکھا کہ مجھے اپنے جائز کام کے لئے بھی رشوت دینی پڑی رشوت نہ دینے کے لئے میں نے سب حربے استعمال کئے لیکن سب ناکام گئے۔ سب نے یہی کہا کہ رشوت دے کر جان چھڑاؤ کیوں اپنے بھتیجے کی نوکری داؤ پر لگا رہے ہو۔ یہ تو میری اپنی آپ بیتی تھی۔

ڈاکٹر شازیہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی عدالتی تحقیق مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے نام نہاد قومی مفاد کی خاطر بیرون ملک بھیج دیا گیا۔ کیونکہ ڈاکٹر شازیہ کیس میں فوجی آفیسر کا نام آ رہا تھا۔ جس اسلامی ملک میں قانون نافذ کرنے والے اہلکار اور سرحدوں کے محافظ خود اپنی بہو بیٹیوں اور بہنوں کی عزت سے کھیلیں اور ملک کی عدالتیں ملزمان کو باعزت بری کر دیں یا نام نہاد قومی مفاد کی خاطر ملزمان کو بچانے کے لئے مظلوم عورت کو انصاف دلانے کی بجائے بیرون ملک بھیج دیا جائے تو مجھے بتائیں کہ کیا ایسا ملک ترقی کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے ملک پر کوئی بھی طاقتور قوم مسلط ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم پر امریکہ مسلط ہے' اپنی مرضی کے فیصلے ہم پر نافذ کرتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں نے تقریباً 100 سال تک حکومت کی۔ ان کی اپنی ذاتی فوج کی تعداد 10000 تھی۔ ان 100 سالوں میں برصغیر پاک و ہند کے کسی کونے میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی انگریز سپاہی یا فوجی نے کسی لڑکی یا عورت کو چھیڑا ہو۔ یہ تو غیر مسلموں کا حال ہے کہ انہوں نے اپنے مذہبی و ملکی قانون کے مطابق انصاف قائم رکھا۔ جبکہ ہم ہیں کہ نام کے مسلمان ہیں لیکن کام ہمارے انسانوں والے بھی نہیں ہیں۔ جب کوئی قوم اللہ کے دیے ہوئے ضابطہ حیات

کو بھول جاتی ہے تو اس میں قائدانہ صلاحیتیں نہیں رہتیں تو اللہ کے قانون کے مطابق دوسری قومیں ان پر مسلط ہو جایا کرتی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کو اپنے ملک کا آئین حقیقی معنوں میں بنائیں۔ خواتین کو وہ مقام دیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ قوم کا ایسا ذہن تیار کریں کہ وہ قرآنی تعلیمات کو سمجھے تاکہ آئے روز ایسے واقعات پیش نہ آئیں جس سے خواتین کی عزت مجروح ہو۔

☆☆☆

کیا یہودیوں کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی؟

گزشتہ کئی دنوں سے عالم اسلام اور میڈیا میں پاکستان اور اسرائیل کے بڑھتے ہوئے سفارتی تعلقات کے موضوع پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ مذہبی حلقے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے سخت مخالف ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف تحریک کا آغاز کر دیا ہے۔ مذہبی حلقے اس اقدام کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی آیت کا حوالہ دیتے ہیں کہ خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ یہودیوں کو کبھی حکومت نہیں مل سکتی۔ میرا آرٹیکل صرف اس بات تک محدود رہے گا کہ کیا یہ عقیدہ درست ہے کہ نہیں؟

یہ کہنا کہ خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ یہودیوں کو کبھی حکومت نہیں مل سکتی۔ ہمارا اپنا وضع کردہ عقیدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ نزول قرآن کریم سے قریب ایک ہزار سال پہلے سے بنی اسرائیل میں جو اجتماعی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں ان کا فطری نتیجہ محکومی ومحتاجی تھا۔ یہ ذلت وخواری انہیں مختلف اقوام کے ہاتھوں اٹھانی پڑی۔ نزول قرآن کریم کے وقت ان کی یہ خرابیاں اور بھی زیادہ ہو چکی تھیں۔ اس لئے قرآن کریم نے ان کی ذلت ورسوائی کی زندگی کو اپنے اس دعویٰ کی صداقت میں بطور شہادت پیش کر کے کہا کہ دیکھ لو' قوانین خداوندی سے انحراف کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے۔ اب رہا ان کے مستقبل کا سوال، تو قوموں کی تباہی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس تباہی کے بعد اس قوم کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی قوموں کے لئے بازآفرینی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن دوسری قسم کی قومیں وہ ہیں جو تباہی کے باوجود اپنا قومی تشخص قائم رکھتی ہیں۔ ان قوموں کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ان خرابیوں کو دور کر لیں جن کی وجہ سے ان پر ذلت وادبار کے بادل اُمڈ آئے تھے اور ان کی جگہ وہ صلاحیتیں پیدا کر لیں جن سے (قرآن کے الفاظ میں) ''مردہ قومیں زندگی حاصل کر لیتی ہیں'' تو ان کو پھر حیات تازہ مل سکتی ہے۔ خدا کا قانون مکافات یہ نہیں کہ اگر کسی قوم کے اسلاف میں کسی زمانہ میں خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں تو ان کی آنے والی نسلوں میں اس کا امکان ہی نہ رہے کہ وہ ان خرابیوں کو دور کر کے از سر نو اپنی

صلاحیتیں بیدار کر لیں؛ صدیوں پہلے کی کسی نسل (GENERATION) کی غلطیوں کی پاداش میں اس کی آنے والی تمام نسلوں پر بازآفرینی کے دروازے بند کر دینا، خدائی قانون نہیں۔ بنا بریں جس طرح ہمارے اسلاف کے درخشندہ کارنامے ہمارے لئے شوکت وسطوت کی زندگی کا موجب نہیں بن سکتے، ہمیں شوکت وسطوت اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب ہم خود وہ کام کریں جن کا نتیجہ شوکت وسطوت ہوتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں کے اسلاف کی ذلت وخواری کا موجب بننے والے جرائم' ان کے بعد کی نسلوں کے لئے ذلت وخواری کا سبب نہیں بن سکتے۔ اگر وہ اپنے اسلاف کی غلط روش کو چھوڑ کر صحیح روش اختیار کر لیں تو انہیں اپنے کاموں کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اس باب میں قرآن کریم کا فیصلہ بڑا واضح ہے۔ جب اس نے کہا کہ:

''یہ تمہارے اسلاف اپنے اپنے وقت میں دنیا سے چلے گئے۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ۔ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تم سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ تمہارے متعلق فیصلہ اس سے ہوگا کہ تم نے کیا کیا ہے؟'' (سورہ بقرہ آیت نمبر 141)

اور یہودیوں کے متعلق تو قرآن نے ایک اور وضاحت بھی کر دی۔ اس آیت میں' جس میں کہا گیا ہے کہ:

''وہ جہاں بھی جائیں گے ذلت و رسوائی کی لعنت ان کا پیچھا کرے گی۔'' کے بعد کہا گیا کہ:

''الا بحبل من اللّٰہ وحبل من الناس''۔ (سورہ آل عمران آیت نمبر 112)

اس ذلت ومسکنت سے نکلنے کی دو صورتیں ہوسکیں گی' ایک تو یہ کہ وہ ضابطۂ خداوندی کو تھام لیں۔ اس سے انہیں باعزت طریق سے حیات نو حاصل ہو جائے گی اور دوسری صورت یہ کہ کوئی قوم اپنی کسی مصلحت کی بنا پر ان کا سہارا بن جائے۔ اس صورت میں بھی ان کی ذلت مبدل بہ قوت ہو جائے گی۔ لیکن اس میں غیروں کی محکومیت کی غیر مرئی رسوائی ضرور باقی رہے گی۔۔۔ وہ عزت اور وقار' جس میں کوئی قوم' کسی دوسری قوم کی رہین منت نہ ہو' صرف ضابطۂ خداوندی کے اتباع سے حاصل ہوسکتی ہے۔ بہرحال ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی خود تصریح کر دی تھی کہ اس قوم کی نجات کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس قوم نے ضابطۂ خداوندی کی اطاعت تو اختیار نہ کی لیکن ایک قوم (امریکہ اور یورپین اقوام) اپنی مصلحتوں کی خاطر ان کا سہارا بن گئیں اور اس طرح فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی۔

☆☆☆

حوالہ جات:
۱۔ مطالب الفرقان
۲۔ قرآنِ کریم
(مطبوعہ شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس' سعودی عرب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر محمد صدیق سید، فیصل آباد

رعایا کس حال میں ہے؟

جس ملک میں سالم وزیر اغوا کر لئے جاتے ہوں، وزرائے با تدبیر کے گھر لوٹ لئے جاتے ہوں اور خود بادشاہ سلامت بھی قاتلانہ حملوں سے محفوظ نہ ہوں وہاں رعایا کی حالت کیا ہوگی یہ اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں۔ عوام کے مسائل کا شمار نہیں۔ چوری و ڈکیتی کی وارداتیں عام ہیں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ ہر طرف مار دھاڑ ہے۔ ٹیکسوں کی بھرمار ہے۔ لوگوں کا جینا دشوار ہے جو خط غربت سے بہت نیچے سسک رہے ہیں۔ مہنگائی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں اگر کسی چیز کی گرانی کی شکایت کی جاتی ہے تو وزیراعظم نامدار بڑی بے نیازی سے ارشاد فرماتے ہیں یہ طلب و رسد کا مسئلہ ہے کسی بھی باشعور اور سلجھے ہوئے شخص کی زبان سے یہ الفاظ جچتے نہیں ہیں چہ جائیکہ اسلامی مملکت کا معیشت دان وزیراعظم یہ کہے۔ افسوس! صد افسوس!

یہ وہ ملک ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اور اسلام وہ دین ہے جو پوری دنیا کو امن وسلامتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے جو تمام انسانوں کو امن وسکون مہیا کرنے کی تعلیمات کا حامل ہے۔ جو امن عالم کا علمبردار ہے۔ جس نے دنیا میں پہلی بار انسانی آزادی اور مساوات کا نعرہ بلند کیا۔ جس کی تعلیمات انسانوں کو حقیقی آزادی عطا کرنے والی ہیں۔ دنیا کے جہنم زار کو جنت نظیر بنا دینے والی ہیں۔

قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ ہم اس ملک کو پوری دنیا کے لئے اسلامی تعلیمات کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے ہیں تاکہ یہاں پر اسلامی اصولوں کو تجربات سے گذار کر ان کے نتائج پوری دنیا کے سامنے لائیں اور یوں پوری دنیا کو اپنے ہاں وہ اصول و قوانین رائج کرنے کی دعوت و ترغیب دیں مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس قائداعظمؒ کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ ملک لٹیروں نے ہتھیا لیا۔ عوام اپنے رب سے نفاذ قرآن کا کیا گیا وعدہ بھول گئے۔ اسی عہد شکنی کا نتیجہ آج عذاب الٰہی کی صورت میں

بھگت رہے ہیں۔

محترم قارئین! آیئے اپنا فریضہ پہچانیں۔ نفاذ قرآن کا فریضہ۔ جو کہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔ ہماری قومی ذمہ داری ہے۔ جو بانیٔ پاکستان کی خواہش ہے' جو حکیم الامتؒ کا خواب ہے جو پوری انسانیت کے لئے فلاح و کامرانی اور امن وسلامتی کی ضمانت ہے۔ قرآن کریم کا نافذ ورائج ہوجانا اقبالؒ کے الفاظ میں۔

کس نہ باشد در جہاں محتاجِ کس
نکتہ شرعِ مبیں این است و بس

یعنی قرآن مبین کا نافذ ہو جانا یہ ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کا محتاج نہ ہوگا ہر کسی کو اس کی ہر ضرورت کی چیز بروقت اور وافر ملے گی۔ کوئی کسی چیز کو نہ ترسے گا۔ نہ کوئی چیز کسی کی پہنچ سے باہر ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد سلیم اختر

تبصرہ کتاب

قیل وقال

(فکر انگیز مضامین کا مجموعہ)

محترم جمیل احمد عدیل کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ گذشتہ کئی سالوں سے روزنامہ دن میں کالم لکھ رہے ہیں۔ افسانوں کے چار مجموعے ''موم کی مریم''۔ ''زرد کفن میں نخلِ ایمن''۔ ''بے خواب جزیروں کا سفر''۔ ''تو جو ہمسفر ہو جائے'' شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ''سیاق و سباق'' کے نام سے ایک تنقیدی مضامین کا مجموعہ' خاکوں اور انشائیوں پر مشتمل کتاب ''نایاب لمحے' ادبی انعامات کی حقدار ٹھہر چکی ہیں۔ تین کتب افسانوں کے انتخاب پر مشتمل منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ ایک مجموعہ منتخب شگفتہ تحریروں پر مشتمل شائع ہو چکا ہے۔ جبکہ تین عدد کالموں کے مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں جن میں سے ایک مجموعہ ''قیل وقال'' کے عنوان سے ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ''قیل وقال'' میں شامل تمام تحریریں روزنامہ دن کے ادارتی صفحہ کی زینت بن چکی ہیں۔ نیز ان میں سے اکثر مضامین ''طلوع اسلام'' میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً سلسلہ وار مضمون ''مسئلہ جنات'' ماہنامہ طلوع اسلام میں قسط وار چل رہا ہے جو کہ ''قیل وقال'' میں بھی مندرجات کا حصہ ہے۔ قارئین طلوع اسلام جمیل احمد عدیل کے اسلوبِ فکر و بیان سے بخوبی آشنا ہیں۔ ''قیل وقال'' کی تقریباً سبھی تحاریر فکرِ قرآنی کی شمع نورانی سے مستنیر دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً ''ربٰو کی دلربا صورتیں''۔ ''علت اور معلول کا رازوں بھرا نظام''۔ ''دعا ایک عجیب روحانی عمل''۔ ''فکرِ پرویز۔ ایک مختصر ترین تاثر''۔ ''انشاءاللہ'' وغیرہ۔ ویسے تو اس کتاب کے تمام مضامین نہایت درجہ فکر انگیز ہیں اور بعض کے عنوانات بھی نہایت جاذبِ توجہ ہیں مثلاً ''طالب حسین تم ترقی نہیں کر سکتے!''۔ ''ہاں تم مجھے انکل کہہ سکتی ہو''۔ ''تہینہ درانی کا کفر''۔ ''آیئے چڑیلوں سے ملئے'' وغیرہ۔

راقم الحروف کی رائے بھی زیرِ تبصرہ کتاب میں شامل ہے جس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''جمیل احمد عدیل اگرچہ ارتجالاً قلم اٹھاتے ہیں لیکن اس ارتجال میں بھی افکار و خیالات کا جو ارتباط و ارتفاع ملتا ہے وہ قلوب و اذہان میں بلاشبہ چکا چوندھ کر دیتا ہے۔ جبر و قدر ایسے اِدِق مسائل جو تاریخِ فکرِ انسانی میں آج تک باعثِ حیرانی و پریشانی چلے آ رہے ہیں' جمیل احمد عدیل ان پر قلم برداشتہ لکھتے ہیں تو اخبار کے قارئین تک شرح صدر پاتے ہیں۔

زبانِ قلم کی یہ طلاقت ہمارے ہاں بہت ہی کم کالم نگاروں کو نصیب ہوئی ہے۔ زیرِ نظر تالیف ''قیل وقال'' میں شامل مضامین میں آپ دیکھیں گے کہ ادب و فلسفہ اور عقائد و نظریات جیسے خشک سوالات اور نازک علمی نکات پر اس عمدگی سے بحث کی گئی ہے کہ باتوں باتوں میں دقیق' معرکہ آراء اور معرکتہ الآراء مسائل حل کر کے رکھ دیئے گئے ہیں' جنہیں شاید ضخیم مجلدات میں بھی سلجھایا نہیں جا سکتا۔''

کتاب انتہائی خوبصورت گیٹ اَپ میں اعلیٰ کاغذ پر شائع ہوئی ہے۔ قیمت 400 روپے ہے۔ ملنے کا پتہ درجِ ذیل ہے۔

عِلم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار' لاہور۔ فون نمبر: 7352332-7232336' ای میل: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ کے خطوط

اس کالم میں ماہنامہ طلوع اسلام کے قارئین کے خطوط حسبِ گنجائش شائع کئے جائیں گے اور کوشش کی جائے گی کہ مختصر جوابات بھی ساتھ ہی دے دیئے جائیں۔ ذیل میں کچھ ایسے ہی خطوط خوانندگانِ گرامی کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں۔ (مدیر)

محترم جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ طلوع اسلام' لاہور۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'۔ خیریت طرفین مطلوب۔

احوال یہ ہے کہ آپ کی طرف سے مکتبہ محمدیہ کے لئے اعزازی طور جاری کردہ طلوع اسلام موصول ہوا فجزاکم اللہ الخیر أمن الجزاء۔

رسالہ ہذا کو پڑھا اور مفید باعلم پایا۔ حسنِ ترتیب ومضامین کی عمدگی اور مواد کی ہمہ گیری میں بڑے استقلال سے رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ منتظمین و معاونین کو اس کار خیر کی جزائے خیر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں نظام اسلام وتعبیر کی شب ھجراں طویل سے طویل تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ اسلام کی حقیقی روح و تعبیر کو سمجھنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور معاشرہ روز بروز فحاشی وعریانی کا شکار ہورہا ہے۔ ایسے دور میں لوگوں کو اسلام کی صحیح تعبیر بتانے کے لئے آپ کا علمی وفکری مجلّہ ''طلوع اسلام'' ایک روشنی کی نوید ہے۔ عصر حاضر کے تقاضوں اور معاشرتی ضروریات کے پیش نظر خواتین و حالات حاضرہ کے متعلق مضامین بھی شامل ہونے چاہئیں۔

امید ہے مزاج گرامی خیریت سے ہونگے۔

ابومعاویہ محمد اکبر ملکانی

المکتبۃ المحمدیۃ الاسلامیہ

بدین۔ سندھ۔

محترم ابومعاویہ محمد اکبر ملکانی صاحب۔ آپ کی حوصلہ افزائی کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کی رائے صائب اور تجویز مستحسن ہے۔ گذشتہ شماروں میں آپ نے دیکھا ہوگا ہم نے آپ کی تجویز پر عمل کرنے کی سعی پہلے سے شروع کررکھی ہے اور آئندہ بھی یہ کوشش جاری رہے گی۔ امید ہے آپ کی حوصلہ افزائی اور تعاون شامل حال رہے گا۔

(محمد سلیم اختر)

☆☆☆

محترم مدیر طلوع اسلام

السلام علیکم۔ طلوع اسلام بابت اگست ۲۰۰۵ء میں خواجہ ازہر عباس نے النساء کی آیات ۱۵۔۱۶ کو نئے معنی پہنا کر نئی بحث کا آغاز کر دیا ہے۔ بے شک ان آیات کا مطلب زنا اور لواطت نہیں لیکن ان سے سحاقت کیسے برآمد ہوگئی۔ ترجمہ میں فاحشۃ کو بدکاری کہنا بھی درست نہیں۔ بے حیائی صحیح ترجمہ ہے۔

میں نے چلڈرن قرآن سوسائٹی وحدت روڈ لاہور کے لئے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ بعد میں خود شائع کر دیا۔ پھر ایک صاحب کے کہنے پر حاشیہ میں مختصر وضاحت بھی لکھ دی۔ میں ترجمہ اور وضاحت دونوں لکھتا ہوں۔

(ترجمہ) ''اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں۔ ان پر اپنے میں سے چار گواہ بلا لو۔ پھر اگر وہ گواہی دیں تو انہیں گھروں میں روک لو حتیٰ کہ موت ان (کی زندگی) کو پورا کر دے۔ یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ نکالے۔ اور تم میں سے جو دو ایسا کریں انہیں دکھ پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے کنارا کر لو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

(وضاحت) آیت ۱۵۔ عورت بے حیا ہو جائے تو اگر چار آدمی شہادت دیں تو اسے اپنے گھر میں قید کر لو۔ ہمارے خیال میں یہ عام بے حیائی کی حالت ہے جب زنا ثابت نہ ہو مگر عورت کی لاابالیت کو لوگ دیکھیں۔

آیت ۱۶۔ کہا گیا ہے کہ مراد دو مرد ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد دوسرا شخص ہے جس پر مذکورہ عورت کے ضمن میں شک ہوا۔ اسے بھی دکھ دو تا کہ وہ باز آ جائے۔

مناسب سمجھیں تو یہ خط شائع کر دیں۔ والسلام

لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خان

۲۹۴۔ ایکسٹینشن کیولری گراؤنڈ

لاہور کینٹ۔

محترم خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی کی مذکورہ رائے سے ہمیں بھی جزواً اتفاق ہے۔ اسی باعث ہم نے ان کے مضمون کو ''نقطۂ نظر'' کے عنوان کے تحت شامل کیا تھا۔ آپ کی رائے بھی محترم ہے سو آپ کے خط کی اشاعت کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔ (بہتر ہوتا اگر آپ اپنے نقطۂ نظر کے حق میں مضبوط دلائل و براہین بھی پیش کرتے)۔ مناسب ہوگا اگر ہم اس موقعہ پر ان دو آیات (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۵ اور ۱۶) کا مفہوم ''مفہوم القرآن۔ غلام احمد پرویز'' سے بھی پیش کر دیں:

''(حفاظتِ مال کے بعد، تحفظِ عصمت کی طرف آؤ جو تمہاری معاشرتی زندگی میں ایک بنیادی

قدر کی حیثیت رکھتی ہے' اس لئے اس کی نگہداشت ضروری ہے)۔

اگر تمہاری عورتوں میں سے کسی سے ایسی بے حیائی کی حرکت سرزد ہو (جو زنا کی طرف لے جانے کا موجب ہوسکتی ہے) تو ان کے خلاف' اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ اس کی شہادت دیں (اور جرم ثابت ہو جائے) تو' ان عورتوں کو باہر آنے جانے سے روک دو تا آنکہ انہیں موت آ جائے یا خدا کا قانون ان کے لئے ایسی صورت پیدا کر دے جس سے وہ اس قسم کی حرکات سے رک جائیں۔۔۔مثلاً اگر وہ شادی شدہ نہیں تو ان کی شادی ہو جائے۔ (زنا کی سزا کا ذکر ۲۴/۲ میں ہے اور تہمت لگانے کا ۲۴/۴ میں)۔'' (سورۃ النساء۔آیت ۱۵)۔

''اور اگر دو مرد اس قسم کی حرکت کے مرتکب ہوں تو انہیں (مناسب) سزا دو۔ لیکن اگر وہ اپنے کئے پر نادم ہو کر اس سے باز آ جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگذر کرو۔ اللہ کے قانون میں معافی کی گنجائش بھی ہے (جو اکثر حالات میں جرم کی روک کا موجب بن کر باعثِ) رحمت بن جاتی ہے۔'' (سورۃ النساء۔ آیت ۱۶)۔

(محمد سلیم اختر)

ART, ISLAM AND RELIGION!

By
Aboo B. Rana

(A paraphrased rendering of 'ART AND ISLAM,' by Allama G. A. Parwez)

==========

A rose flower remains digestive, character wise, in medicinal sciences. Temperamentally, it brings dryness in a person. Its other properties include, that it generates strength and embellishes the heart in a soothing bliss. The nectar of rose or it's sweetly sautéed rose petals are considered very salubrious medically. Rose has always been a flower of many attributes.

Yet, when the same rose strikes the sight of a person, who has an eye for beauty, due to his aesthetics granted by nature, he becomes enveloped in its luscious magnificence. His eyes are captivated, in a world that frolics and romps in its delicately invigorating petals. The charming fuchsias, in their pleasant fragrance, are scattered in all directions of a person's mind. The scenario invites the enshrined eye of every artistic mind. This condition of absorbing attraction, in the play of nature, is not only found in flowers. From other perspectives, every nook and niche in the Eden of this universe is exploding with radiance in kaleidoscope colors. Every view of it reflects an artistic aspect, besides its utilitarian trait.

In the dazzling luster of the sun; in the lunacy of moonlight; in the ornamental details of the dark starry dome of the night or the color enriched visual spectrum of nature. Mornings of delightful aubades. In the gushing enterprises of ocean waves, not forgetting the ballet of clouds. In the tranquility of the brook. The silence of tall and slender, ensemble of trees, standing in queue, is broken by the frisky chirps of playful birds, now and then. Wherever we may venture to glance, in the décor of this universe, one cannot escape the charming beauty smoothly blending with the functional aspects; like an innocent smile, on the lips of any child, lost in the dream world of its own.

The truth of the matter is, when Providence took the responsibility of nurturing humankind, to incarnate or give it some form; it was incumbent, in order to be flawless, to make provisions for the transitional phases of its development. Besides its physical requirements, humankind is also loaded with passions. To compensate for its impetuous nature, function and formality are interlocked, to become its indispensable ingredients. The important element that draws the line, between humankind and animals is that animals carry only physical demands; whereas humankind, by instinct, is also groomed with aesthetic refinements. A cow cannot differentiate between fragrant flowers and grass. Indeed, a human will cognize provided he has outgrown his animal desires.

Laws and Limitations

The necessity of laws in human beings, for the proper functioning of its physical form, cannot be ignored. In the same breath, laws are also needed for the normal functioning of his desires and emotions. It is in granting these standards of life by Allah Almighty and by fulfilling the requirements of these standards of matter and mind that mankind becomes capable of nourishing and developing his 'body' and 'self.' Instead of making castles in the air, these principles of life, provide the means, to live this life in peace and serenity. These values of life also provide measures, for a safe journey in our next phase of life. We shall delve later, into the details of this ideology in the coming paragraphs.

The messengers (peace upon them) brought for us from time to time, standards and codes of life, as revealed upon them by the Creator. Since human beings have the ability to choose, these values of life were compromised with, by their followers, after the messengers (peace upon them) passed away from this world. This perverted or compromised version, of the principles of life, is defined as ***'Religion.'*** In the following pages, we shall examine how 'religion,' exploits the matter and mind.

The Concepts of Religion

The basic ecclesiastical laws define life as despicable and repugnant for heavenly purposes. Everything in this world is considered evil in religion. Therefore, any person, who desires to worship God, must avoid the pleasures of this life. Everything that belongs to this world must be looked upon with hatred. The more any person stays away from worldly pleasures, the closer he is to God. This worldly hatred culminates, when the mind has no desire left for any kind of pleasures; in religion, such a person is considered pristine and pure.

Obviously, as long as any individual is alive, there is need for food and water; this thirst and hunger can never be escaped. A person can reduce his appetite, indeed he cannot live without food and water. Whether he lives in a desert, jungle or a cave, or he could be doing his *mantra* on the mountain top. It is impossible to negate his appetite. Those who compromised and became accustomed to the rituals of religion were unable to put sanctions on human desires, of thirst and hunger. Religion did succeed, though, in manipulating that facet of human desires which was concerned with pleasures and aesthetic tastes. These aesthetic pleasures were pontificated and dogmatically decreed taboo in the nomenclature of religions.

The followers of Religion

To live life which dehumanizes and justifies hatred for this world was given 'spiritual' status, by the followers of religion. A life of disgust, repugnant to any admirer of beauty, was hailed as 'spiritual' or closer to Divinity. If anyone is anxious and wants to go through and read the lives of these spiritual leaders, one will notice the horrendous and dreadful environs, in which they spent all their life. Regardless whether they are Buddhist Bhikshoos, Hindu Pundits, Christian

Saints or Muslim Allahwallas from the shrines. All these so called exorcised religious people glorify this Icarian trait in them.

We hear so and so did not take a bath all his life, or so and so spent his life in hideously loathsome conditions. Someone did not have his haircut or manicure, all his life. Another, spent all his life under the open sky. While still another, spent his entire life dangling in a well. So on and so forth. Even nowadays, we sometimes come across these 'God Lovers,' or someone who claims to be further ahead in his admiration of the Divine. Their condition is so repulsive and pathetic, that any admirer of beauty would abhor going near them. And yet, their followers smell incense of heavens, in the presence of their spiritual leaders.

Escapism

It is in the very nature of religion to further inhibit minds that are unable to emancipate. Thereby causing their aesthetic tastes to remain retarded. Astonishingly enough, in the same religious crowd, are sometimes seen to emerge, those who are able to carve for themselves escape routes. The grandeur of the awesome architecture of Roman Cathedrals conceals rare specimens of mosaics and sculpture works. We descry beautiful nuns, which adorn the atmosphere of their monasteries, just to restore beauty. Besides the mellow requiem of church orchestra, one will find the same kind of aura in Hindu temples and ashrams. Bas-reliefs and statues, vividly portray the romances of Radha and Krishna, involved in their rapturous odyssey, accompanied by music, are in the rituals of Hindu religion. In the mystic school of Islam, we hear music of highly elevated order – the precipitated form of which is felt in the concussions and agitations of *qawali* and folklore songs, that is suppose to ease the path towards God. The strict followers, who are more restrained and bonded with religion, delight in music, without musical instruments. In other words, the sound that comes from the vocal chords of human larynx is legitimate, whereas the same sound, when produced with an instrument is illegitimate….. Strange! Ironically, these *halal* and *har'aam* partitions are ascribed to that supreme Entity, whose sublime beauty is ideal in proportion. In the recitals of Quran they maintain a musical rhythm, which will move the dullest and most flat people; the most insipid person becomes motivated and excited. The popular recitals of Quran are in two types; one is known as '*Hijazi*,' while the other is named '*Misree*.' One is recited in "*Bhair'oon*" raga and the other in "*Bhahr'veen*" raga. These orchestral arrangements, are escape routes, to satisfy the aesthetic demands of those, who have outgrown there animal instincts and now feel the need to live on human frequencies. If these urges of human desires are not fulfilled, he will then discover underground escape routes to satiate them. These 'escape routes' in modern day psychological terminologies are known as 'perversion.' Consequently, the end result of this perverted satisfaction, stifles the creative mind and nurturing of human individuality. In this manner, our natural desires become perverted in the world of religion. Religions never encourage

fresh ideas or stimulate a person to face the real world. Religion is a slur on the process of natural development.

We observe everyday people religiously engaged in rhubarbs against passions. All these conversations are just plain ranting. The heated disputes, in which these folks are involved, are an excuse, to somehow stimulate and gratify those very passions against which these people impugn. This type of crowd transmits a strange ludicrous attitude. They bow before the God as the one and only Divine Being; yet, by the same ticket, the same people want to destroy and rout the décor and beauty created by that very God. They claim this act of destruction of passions, as height of their worship. They admire and pay respects to the Divine Creator and in the same breath, want to annihilate His beautiful creations. This paradoxical mind can only be expected in the atrium of religions. On the contrary, the system of life, called 'Deen' in Islam, neither disparages this world as ugly nor belittles human feelings. It does not, like in religion, put labels of 'good' or 'evil' on human faculties. As a matter of fact, how we make use of our faculties is what makes them 'good' or 'evil.'

The World of Islam

In the east, the terms 'grandeur' and 'glory' are very conventional. In grandeur, we expect productivity and utilitarian benefits. It is the appropriate use of anything which makes it functional and productive. Hence this term is concerned with the physical features of Life. On the other side, the term 'glory' connotes, praise, honor and elation. The appreciation of something, that is associated with human feelings and emotions. As I mentioned earlier, in the world of religion, the productive and utilitarian aspect of Divine grandeur, is taken for granted as 'good,' yet, magnificence, praise and glorious values are condemned as 'evils.'

This dualistic character of thought has originated from the Zoroastrian religion. Zoroastrians have two gods – Ahriman and Ahura Mazda – the former is the god of evil, while the latter is the god of good, symbolized by light and fire. The advent of Quran, *defacto*, proved this dualism as defunct and evil. The original source of grandeur and glory, or the functional and appreciative aspects, Quran explains, is one and the same. The source of production and praise is the same, one and only Divine Being. *"La hul mul'ko wa la hool Hamd,"* (Quran 64:1) it says. Upon observing an awe inspiring work of art, when our feelings converge on our lips, the spontaneous sounds of praise and respect are known as *'Hamd,'* in the words of Quran, in Islam. It is in this context, Quran has repeatedly ascribed the word *'Hameed'* to God. The actual meanings of the Arabic word *hameed,* are, the décor of this universe is not sporadic or dilettantish. This décor is perpetually being expressed, and this unfolding of universal beauty is the inherent characteristic from its Creator. In the words of poet Ghalib:

The grandeur and glory gradually unveils;

As the curtain opens the mirror of universe.

When we carefully scrutinize, the overtures of Quranic literature opening with the words, *'Al hamdu lillah hee, Rub ill ala'meen.'* (1:1). Wherein, the first adjective *'hamd'* shows the aesthetic attribute of God, the other word *'rub,'* reveals the nurturing character of God. It is by virtue of these two attributes, the straight path towards God is mentioned as, *'Sira'a tul azizul hameed.'* (Quran 14:2). Meaning, this straight path when followed, besides its being venerable, shows us along its way, the splendor and magnificence, that are collocated. In explaining the creative process, God reveals, in the Quran:

"Alla zee ah'saa'noo kul'ee shai'ee khul' ka' ho." (32:7)

It is He who has created everything most perfectly beautiful.

God's Creativity

In Arabic language, the word Hoos'un (beauty) means anything that is in perfect ratio and proportion. Even the slightest of distortion, if it occurs in its balance, will diminish the beauty of it. Pascal aptly said that if Cleopatra's nose had been slightly flat, the history of the world would have been different today. God has emphatically proclaimed that you will not be able to find any disequilibrium in its creative process. Nothing in it is out of proportion. Even His manner of explaining is eloquently unique. In the chapter of Al Mulk, the words are: *"Ma tar'aa fee khul'kir rah maan nee min ta fa au tin,"* (Chapter 67, verse 3). In the gracious creativity of God, you will see no twist, crease, kink or lack of balance. Nothing in it shall be found imperfect. Quran further says in the same verse: *"Fur jee il, ba'sa raa hull ta raa min fo'toor rin."* In the vastness above, broaden the horizons of your mind first and then see, if anything in it is out of order. Any split, dehisce or disgrace? *"Sum mur jee'il ba'sa raa kar'raa tay'nee,"* (67:4). Not just once, take your vision again, again and again on the whole scenario; scrutinize and search carefully with all curiosity. *"Yun qalib il'leyee kal ba'sa roo kha'see'un waa ho waa ha'seer."* (67:4). Your vision will return dejected and defeated. In the decorum of nature, it is not possible to find the slightest imperfection.

Transient Ornamentation

Lets us come down to earth now. The fertile soil is meant to provide for the physical needs of all living creatures. For these very reasons, it seems apparently, it is only functional in its value. And yet, God proclaims: *"In'na ja'ulna ma alal ard'dee zee'na tal'aah."* (18:7). We have embellished the land and all that is over it. Take a view of how the various shades of hues ornament and adorn the carpet of the earth. Why is the atrium of nature, decorated with so much splendor and magnificence? *"Lee nub loo waa hum ayee'oo hum ah'sa'noo aa'maa'la."* So it may inspire mankind towards balance and equilibrium; thereby, man may become capable of handsome deeds. Beautiful deeds, motivate towards a flourishing culture. It must be observed, Quran has used the word, *hasnaat*, for good deeds. Only those deeds are acceptable in the kingdom of God, which are inspired by beauty.

Ornamentation of the Skies

We understood, how Quran emphasizes the manner in which God laid a colorful carpet on the surface of the earth. Now lift your head and take a glimpse, on the sort of ornamentation that has been done, in the skies. Quran is witness, to the astronomical sizes of huge planets; besides the sun, moon and other stars, that are closer to us, which are floating in their orbits (88:18). At the same time, Quran also says: *"Wa laa qud zu'ee'yen'nas sum'aa'adh duniya be maa sa'bee haa."* (67:5). There is attraction in the planets that are closer in the atmosphere. We knew, every evening before going to sleep, you might look towards the skies; we did not want to scare you, by making the stars appear in their actual size and disturb your sleep, besides frightening the children. We made arrangements in such a pleasing manner, so that these huge stars may appear to you, like candles flickering in darkness. *"Wa la qud ja ulna feice sa'maa'ey bo'roo jaun wa zu'ee'yen'na ha lin'na zee'reen."* (15:16) in the vastness of skies, we transformed these humungous stars and made them appear attractive, for those who can see.

The World of Animalss

In the chapter of Al-Nahl, the two aspects of grandeur and glory have been narrated in a very charismatic way, a trademark of Quran, which is found in no other book. *"Wal an'aama khala ka haa la kum fee ha, diff' eun wa ma'na fee'au wa min'ha ta'ko'loon."* (16:5). Observe the animals; there are plenty of advantages in them for you. You make clothes from their wool. In their meat, there is food for you. *"Wa tah mill, as'ka'la'kum ee'laa ba la dill'lum, ta koo'noo, ba'lee'ghee'he, ill'la bi shik'kill un foos."* (16:7) among them, are those that lumber under the strains of your bulky cargo, and take them to far away cities. If you had to carry this encumbersome burden by yourselves, would it not have hindered in your daily activities and created difficulties for you? Then observe the horses, mules and donkeys. You all ride on them, "Wuz'zee'na'tun," (16:8) and some are feast for the sight.

We were reading until now, how Quran recounts the functional values. There is no more that can be said on what has been written, on this subject. But it is Quran, gentle hearts, it shall always have more in it than our expectations.

Mutual Dialogues

Landscapes are dear most for painters and poets and are of priceless value. As far as poetry is concerned, if we have the ability to perceive with our inner eye, then please do experience the serenity and peace in the following verses:

Tipsy stroll of a careless deer, on the sand stones of time.

Or,

Tinkling in the eternal silence of nature;

Voices of quietly departing caravans!

And yet another,

Smouldering ashes hither, a piece of rope thither;

Who knows? How many caravans went whither.

Another one describes,

Fuschia, among the clouds and mountain tops;

Heaps of red, and carmen; leftovers of sunset!

In the above verses, each scenario, describes a moving world of beauty. Let us retrace our steps to where the advantages of animals were mentioned. After enumerating all the benefits, it is written, there is more to it than just this. To understand this, 'more to it' we need an elevated aesthetic mind to appreciate. *"Wa la kum fee ha ja'maa'lun, hein'na tu'ree hoon'na wa hein'na tas ra hoon."* (16:6). Just visualize, the serenity of the morning dawn, when few stars are still flickering and the fresh air beginning to wake up. In this calm silence of nature, when you take your domestic herd out for grazing; this enchanting landscape is abundant in beauty. In the evening, after the tired sun goes away for a siesta, shades of iron rust and hot reds in the surrounding air take over. The paths become quiet of the grieving fields, and you are bringing your herd back slowly and steadily. Indeed, this aura carries a charisma of its own. *"Wa la kum fee ha ja'maa'lun, hein'na tu'ree hoon'na wa hein'na tas ra hoon."* Your vision became arrested, in the advantages you thought that you could gain from these animals. If you have a beating heart in your chest, instead of a block of ice, you will indeed realize, there in it, are priceless aesthetic pleasures. And they are abundant.

You might have observed this home coming and departing scenarios of herds in rare collections of art, or perhaps in the brief words, of what Quran describes, summarize all the clauses of endearment. Let us again, cast a sincere glance on these landscapes. Will your eyes not bow before them, spontaneously in appreciation?

Beauty in Obedience

Let us move on now. As I mentioned in the beginning, the more intensely, any person indulges in worship, meditation or speculations, in the field of religion, the more farther away he moves from earthly pleasures and worldly beauty. So to say, Divine affinity and worldly décor are contrary to each other. It is the inborn characteristic of '*zahid*' to remain dry, no matter to which religion *zahid,* may belong. The original meanings of the Arabic word 'zahid', is to be non-inclined, indifferent and desireless. Gentle hearts, please read carefully, what Quran has to say on this subject. It says:

"Ya ba'nee adama! Khoo'zoo zee'na'ta kum, inda kulli masjid'eun……. (7:31)."

O Mankind! It is false to believe that in order to follow God's path, one must stay away from worldly comforts, beauty and pleasures. Worldly beauty and décor does not hinder from following the correct path. Obedience to God eventually resorts to settle for an enchanting world here and also in the life

hereafter. So take advantage of these things. Eat, drink and be merry; but, thou shall not indulge or cross the limits set by His laws. For He likes not those who transgress.

In the very next verse, after this, what Quran has written, shakes and breaks the very foundations of the religious world. This verse ought to be reckoned as the last word on this topic. Quran officially announces:

> "Kul mun hurr'ama zee'na'tulla hilla tee akh'raa'ja, lee ebaa'di'hee wut tayye'baa'tee min'ur riz'qee……. (7:32)"

O Messenger! Ask thou from these worshippers of religion, as to who has the audacity to downgrade and demean the attractive beauty and reject the edible things, those which Allah hath created for His people? In accordance with the physical laws, of this world, the décor and beauty is for one and all, regardless whether any person is a believer or a non-believer.

Just imagine, gentle hearts, and feel the intensity of this announcement, as to, "who has the audacity to downgrade and reject that which Allah hath created for His people?" These things have been created by Allah for His people. And these very creations are being preached to people, as scornful and repugnant, in religions. And that we must refrain ourselves from using them. Would this not be called coming parallel to God? Its implications are tantamount to standing next to Allah!

Enrichments of Paradise

To live this life, God tells, according to the dictates of Quran, shall lead us into paradise. A heavenly society in this world, which shall continue into heavens of hereafter. Quran further elucidates on this heaven. It explains the practical shape and form of heaven that shall exist in this world and gives us an allegorized version, of the Heavens after this life.

When we, gentle hearts, read and scrutinize the Quran, there is not a single feature of beauty which escapes from this heaven. Simply project in your mind's eye this heavenly scenario, it explains in a unique charismatic manner, saying, *"Jan'na tin tuj'ree min tahti hul un'har.* By the sides of running streams, midst the growth of flora and fauna. Then it says, *La ya'rauna fee ha, shums'aun wa la'zumha ree'ra* (76:13), there will always remain spring season, neither too hot nor too cold."

On the other hand, there will be, "Sofas of fine lustrous taste and curtains in silk; soft and delicate garments in floss to wear (18:31). Kitchenware and cutlery in gold and silver. Translucent shine of drinking tumblers. Bangles in gold and necklaces of pearls (76:15-16). In short, in this admirable living, *wa fee'ha ma'tesh'ta hee'hil un fo'so, wa ta'luz'zul a'yoo'no* (43:71) one shall find everything a person has desires for, and to cool his eyes. To the extent that *fa hum fee rau'da'teyn'uuh'ba'roon,* (30:15), in the lush green gardens, there will be music of fine taste. Truly speaking, the meanings of this Arabic word *al-hub'ra'ta* encompass grandeur and glory, radiance and beauty and all aspects of happiness and pleasure. It is this heavenly society that Allah promises in the

world here, while the Quran explains it allegorically, on numerous occasions, concerning our future in the hereafter. Just think please, when grandeur and glory with beauty and taste are the gifts and rewards, for Muslim society, in response to their good deeds – How come the same rewards of God are being prohibited to use?

Status of Mankind

In order to understand the actual status of mankind, it is necessary, first of all to know the relationship between God and Man. This relationship is of co-partnership. In accordance with the sayings of the Messenger[PBUH], Allah is the chief partner, whereas humankind's role is that of an assistant partner. However, the relation between the two remains that of partnership. Whatever may happen, the culmination of Allah's program in this world, shall be implemented only through humankind.

Now procreation is one of those characteristics of mankind, through which it reproduces its species. This trait of humankind is common with that of animals. Whereas God transcends and is above all this. Creativity is another one of the traits, from which the animals are exempt and excused. Creativity is that quality which human beings have the privilege of sharing it only with the Divine Being. God has proclaimed Himself as the ideal Creator. The words in Quran are, *"Ahsan ul khaliqeen,"* the ultimate of all creators. When He includes Himself as the supreme-most of all creators; needless to say, this acknowledgement means, there are other creators besides Him. And which species in this world, besides the Divine Omnipotent can it be, other than humankind? It is therefore inferred, it is this trait of 'creativity' which distinguishes humankind from the animal kingdom. This attribute is what a human partakes from the Divine Omnipotent. The only and important difference being that His creations are the ultimate and ideal. Hence any person who is devoid of creativity, is living this life on the animal level. He does not qualify to reach the human status.

In this world, the more one explores and accomplishes in unfolding the beauty in nature, the more he moves a step closer to God. Pursuantly, the achievements in the process of creativity are purging humankind from the contaminated or seemingly incorrigible elements that appear to exist in nature; thereby purifying him more and more. A good deed means that, which brings forth, discovers or adds to the beauty in nature, simultaneously, unfolding the beauty in one's own self. It is these additions, in the beauty of nature, towards which our ideological poet signifies, in his poem of dialogues between, Man and God, wherein man says to God:

Thou created night, I created a lamp bright,
Thou created clay, I cut out a tumbler, say;
Thou created deserts, forests, mountains;
I created verdures, courtyards, & gardens!

(Please do excuse me, it was extremely difficult to re-create the dynamism and impact in English which the original words of this poem possess.)

The world history of cultures and civilizations is giving a standing ovation to mankind, on its discoveries in science and art. As far as art is concerned and particularly music, the contributions of messenger David[PBUH] are very significant.

It was he who established Hebrew music; besides that he modified Egyptian and Babylonian musical instruments, in which Bur'but (a stringed instrument) is very famous. Torah, the book of Divine knowledge was revealed unto him. Every chapter of the Divine book has an introductory note, which tells us as to what type of music must be played, when reciting these scriptures. In the last chapter it says:

"While playing the Kur'naee (a musical instrument) you must sing the praise of Almighty. While playing Bur'but (another musical instrument) and blow-pipe, another type of praise must be sung. While dancing and playing on Tubla (drums), praise the Almighty; praise God in a high pitched voice with Gaan'jh (musical instrument). Praise God in melodious voice, while playing the Gaan'jh." (Torah: page 616, published by 'British and foreign Bible society, Lahore. 1966)

There are no two opinions, over the fact that Torah has undergone many alterations, during the course of time. Why we believe the above mentioned quotation on music can be true, is because Quran mentions musical sittings in the heavenly society, it can be surmised that messenger David[PBUH] must have enhanced the musical form of art. It is further confirmed in our own ahadith literature, the fact, that messenger David[PBUH] use to sing with instruments. The readers may kindly refer to, "Fatah al-Ba'ari," by Hafiz ibne Hijr As'kalani.

In ahadith books, there is also mentioned an occasion, when once in the mosque, some Africans were dancing and Messenger Mohammud[PBUH] along with Hazrat Ayesha[RA] was watching. We also find, the attitude that is commonly portrayed in ahadith books, of Hazrat Omar[R] that he had a very volatile temper. Caliph Omar[R], it is mentioned, always walked in a frothy manner; his eyes always red with anger, a frown on his forehead and a rod in his hand. This, indeed, is a distorted projection of his image. In fact, he possessed a very sensitive heart and personified a sublimely fine taste of aesthetics. We shall mention about his delicate and fine taste of poetry later. As far as aesthetics is concerned, he was an ardent admirer of good music. Arab music, in those days, usually consisted of motivational war songs or soothingly melodious lyrics of camel riders, when caravans traveled through deserts. He was enchanted by these songs and many a times, he personally recited poetry with melody. Hazrat Abdul Rahman bin Auf[R] mentions, once he called at his residence and heard Caliph Omar[R] singing in the manner of camel riders. Upon entering, Hazrat Omar[R] asked him, "Did you hear what I was reciting." When he answered in affirmation, Omar[R] said, "In solitude, I usually sing as a commoner."

Not only in solitude, it was his attitude in public also. Once when he was traveling with a caravan, he began to lyrically recite poetry. Those who were traveling with him, started to gather around, he immediately switched over to reciting the Quran. Each one of them backed away. He again began singing and again they all gathered around him, again he started reciting the Quran. Once again he saw them dispersing away. With a smile on his lips, he uttered, "Just look at the nature of these satan's siblings – when I sing they gather around me, otherwise, when I recite the Quran they all run away!"

(To be continued)

At another time, Hazrat Omar[R], Hazrat Usman[R], and Hazrat ibne Abbas[R] were traveling and a coterie of shepherds came and joined them, in their travels. In a soiree, they requested a popular singer, Ruba Fehry, among them to hum a tune. He refused, taking the plea that Omar might object. The others told him to start singing, which he could always stop if Omar[R] disapproved. When he began to sing, Omar[R] did not say anything. On the contrary, he was delighted. By morning time, he asked him to end his singing, as it was now time to recall the Creator. The next evening again he was requested to sing for them, in the same style of camel riders. Hazrat Omar[R] was pleased in their company and charmed by his songs. The third evening when his songs sounded a little demeaning, Omar[R] asked him to abstain from these kind of songs, as priggish and negative feelings which create jealousy and narrow mindedness, are caused by degrading songs. From the above quoted examples, we can testify and can easily declare, how far music is justified and what type of music qualifies in the principles of Islam.

Messenger Suleiman[PBUH] had rare artisans, working for him in his rule. The Quran mentions about Suleiman[PBUH] , in the following words:

"Ya m'loo'na la'hoo ma'ya'shaa a'oo mim'a ha'ree'ba wa tama'see'la," They constructed huge palaces, did sculpture work and made other fine pieces of art. The Arabic word, *ta'ma'seel*, contains meanings, both for sculpture as well as for pictures. Where paintings are concerned, there must not exist now, the slightest doubt, whether or not, they are endorsed by Islam. I have on purpose, added the word 'now' for the simple reason, that a few years back our renowned scholars, in Islamic jurisprudence, leave alone the fact, that having ones picture taken, they did not even approve of looking at paintings or pictures. As for sculpture works, recently, in the award given by the Saudia Arabian government to Mr. Maulana Maudoodi, one can see the portrait of late Shah Faisal in bas-relief, on the medal. In this case the matter goes beyond painting pictures, that we discussed above. Even on this topic we can quote, the event of Omar[R], as an example, when his forces, after achieving victory, entered Qaisera. In the crystal palace, they observed here and there, rare specimens of sculpture works. Hazrat Sa'ad bin abi Waqas, took every precautionary measure of preserving these pieces of sculpture work, with the approval of Omar[R].

Fine Arts is divided basically into four mediums of expression. Namely, sculpture, painting, music and literature. Before discussing further, we consider it important here, to elaborate a point mentioned in Quran.

Beautiful Names

As mentioned earlier, the Arabic word Hoo'sun (beauty) connotes, anything that is in balanced proportion and equilibrium. Whenever anything is off-balance, its beauty is diminished. On the other hand, when complementary or opposing elements are combined or composed in a proportionate manner, we are able to create beauty in them. In Truth, what are commonly known as Divine

attributes, are contradictory in nature. Where we find God as all powerful, we also see the merciful attribute in Him. These complementary or contradicting attributes are balanced in such a proportionate manner, in the Divine being, because of which, in the Quran, these characteristics are collectively called, "Beautiful Names" (Asma'a ul Hus'na, 7:180) in the Quran. In fact, it means, these attributes exist in ideally balanced proportions.

Human being is also possessed with opposite characteristics, for example as – mind and matter. What actually is meant by a balanced personality, is when the body and mind of a person harmonize with each other. When the body (action) and mind (thought) correspond with each other, we call that a beautiful deed. In art, these proportions and subtleties of balance attain sublime heights. In any portrait painting, the slightest addition or subtraction, in the eyeball, can ruin the beauty of the whole painting. It is the same, in music also; a slight stretch or pause of a note can destroy the whole musical composition.

Balance

Quran says, when balance and proportion in these things is given the name of beauty, in order to enjoy them, we must also maintain balance and ratio. That slight bit of indulging beyond the limits, renders the same beauty into ugliness. As stated before, wherein is expounded: "O Messenger! Ask them, as to who has the audacity among them, to refuse the décor and beauty?" Quran allows us to enjoy, and in the same sequence, it also says: *"Wa la tus'ri foo,"* (7:31) but, thou must not indulge in them. *"In'na ho la yo'hib'bul mos're'feen,"* for he loves not the transgressors. Indeed, to take pleasure in and enjoy their benefits is not forbidden. God only admonishes, when the limits are crossed.

It is this reality that I mentioned in the beginning of this discourse, in chapter Al-Kahf, in which is written: *"In'na ja'ulna ma alal ard'dee zee'na tal'aah."* (18:7). We have created beautiful things on this land. *"Lee nub loo waa hum ayee'oo hum ah'sa'noo aa'maa'la."* (18:7) So we may judge, who are those among them, that maintain balance in life in their deeds. It even ventures a step ahead and states: *"Wa lilla'hil us'ma'aool hos'na, fudh'oho'biha,"* (7:180) the Divine attributes are ideally balanced in precise manner, so that human beings may follow them in like manner, within human limits. *"Wa'za rolla'zee'na yul'hi'doo'na fee usma'aa'ee'he,"* (7:180) we must refrain and stay away from those, who only take His one attribute and linger on with it. For example, in Christianity, they have taken the 'mercy' characteristic to magnifying proportions, and forgot about his laws of retention and retribution. In this way, they not only have renounced their own individuality; besides, it has also created chaos in their society. This, in reality, is that intrinsic clause, which the altruistic Quran brings forth, if we want beauty.

In life, the stabilization of functional and beautiful characteristics can be understood, as for example, the food and air we consume in our bodies. If we cease to eat or breathe, our body will stop functioning. If we inhale polluted air or overeat, again we impair and damage our bodies. Only by embodying, the spirit

and matter, in precise balance, it is possible to bring out the beauty in us. As, from the pen of Dr. Iqbal,

Divorce not the voice of warmth and passion;

It has shaken, many a cultures' disposition!

Furthermore he goes:

Great taste is in the essentials, in vision, but;

If not profound in insight, does it mean anything?

A philanthropic spirit, mind, or poets' aubade,

Of what use is that breeze, which deflowers?

Nations, in this world, do not rise in miracles;

What use is a skill, without a cutting edge?

What are Those Standards?

The most debated question is - what are those standards, by virtue of which we can measure, whether we have maintained balance in the stabilization of function and form? Obviously, this cannot be left on subjective choice. There are basic rules and standards in every department of science and in all areas of art; hence to have a balance in function and beauty, there are some basic principles and standards. These are known as permanent standards or values. *"La tub'dee'lul kali'ma tull'la'he."* Meaning, these permanent standards have been laid forth by the Divine being and they shall never change.

If we are working within these set principles and standards, we remain in the paradigm of Islam, otherwise, when we trespass the standard parameters, we enter into forbidden territories. It is concerning these artists, who crush the delicate beauty, about whom Dr. Iqbal laments:

His songs with self indulgence, poison the air;

Singer! Whose conscience Truth will not bear.

These standards or criteria are preserved in the Quran, the Divine book of God, who is the Creator of function and form, of this universe. Being the Creator, He is aware of all the requirements of mankind. Now, as far as poetry is concerned, Quran, while talking about the Messenger[PBUH] tells us, ***"Wa'ma allum'naa'ho le sha'ra, wa'ma yumb'ba gha'eela'ho,"*** (36:69) we did not teach him poetry. The fact of the matter remains, poetry does not behove a messenger of God. It is unbecoming of a messenger to be a poet. It is therefore, more often than not argued, that Quran disapproves poetry. This point, in Quran, needs elucidation.

First of all, we must understand, when the benevolent Quran condemns poetry, it certainly does not mean, if something is explained in prose, then it is acceptable. When the same is interpreted in verse form, it is declared repugnant. Quran is not debating, on the type or form of narration. Quran, debates on the

purpose of facts, which are debated in a poem. Hence the verse that I just quoted above, "We did not teach him poetry, neither poetry befits the character of the messenger of God"; after that Quran further explains, in the same sentence, *"In ho'wa ill'la zik'roon'wa Qo'ro'aan num mobeeno."* (36:69) What have been revealed unto him are historical facts, that embrace the basic principles and values of life. In the very next verse, it still further explains, *"Le yun zee,ram un kaa'na haeyya,"* (36:70) so that, for those who have any spark of life and want to live, these standards may forewarn and keep them aloof from the destructive elements. The benevolent Quran, debates on historical grounds and pragmatic facts of life. Poetry, on the contrary, plays with feelings and leaves the person in solitude, dreaming in fantasy. The messenger of God, has a specific destination to reach in his lifetime. His each and every step, is directed towards that purpose. Neither any problems can come in his way, nor can any kind of personal temptations persuade him from his true path towards that destination.

(There are a couple of short poems here, in Persian, by Dr. Iqbal. The eloquent beauty and well expressed impact can only be felt by those who are well versed in that language. Converting them into English, would mean to trample on the soft petals of delicate flowers. I therefore request to be excused, as I shall not be able to do justice.)

This is the attitude in life, of the messenger of God, who invites all mankind towards the slow process of universal evolution. On the other side, the compassionate Quran describes the mental state of poets, in the following words, *"Alum tara'unna fee kull'li wa den'yee he'moon,"* (26:225) Have you not observed, how they (poets) wander in valleys and deserts, like *Aa'heem.* In Arabic, the word *Al-aheem* means, a camel that is ailing with artificial thirst, due to which it wanders aimlessly, as the camel cannot cure this disease of its thirst. Since the poets, generally do not have any specific goal in their own life, they get carried away in the torrents of their passions and flights of thought. Since these pseudo passions and false speculations are neither crystallized nor formed on pragmatic principles of life, they therefore remain unfulfilled. The poet is lost, all his life, in an imaginary world. *"Yut'ta be'oo ho'mul gha'oon."* (26:224) And those who follow him, also live in the same state of mind. These followers deceive the poet, as they are in large numbers, they make him feel that he is on the correct path. They are nothing except a mere crowd, they are like locusts. In Arabic, *al-ghaa'vi* means locust. They appear thousands in number, yet, without any destination. Without any destination this crowd is driven into annihilation and devastating consequences. These poets are a kind of their own, *"Un'na hum ya'koo'loo'na maa'la yuf'aloon."* (26:226) "They speak on matters," the Quran says, "on which they do not act themselves." In fact, when the very thirst of ideas is false, how must one expect the words and actions to synchronize?

We therefore draw the inference, by the word poetry, the compassionate Quran is not addressing the mode of expression. As in prose or poetry. It is a specific state of mind, which is quite contrary to the mental state that Quran intends to create. That is the reason why, after explaining the state of mind of

these poets, it says, *"Ill'lulla zee'na amin'nu wa amil'lus sua'ly'haaa'ty."* (26:227) On the contrary, the mental state of those, who are convinced of Divine revelations, is a relentless involvement, towards a certain destination in life. This involvement deals with the flowering of their own potentialities and unfolding of human faculties; besides, it solves the problematic situations that surround them. *"Wun ta'sa'roo mim baa'dhi ma zu'ly'moo,"* (26:227) when someone exploits them, they do not like the poet Sau'da (from the Indian subcontinent), call their weaklings, and say, "Just bring my pen, I want to give him my piece of mind, for his impetuous actions." They take their exploiters to task. *"Wa'sa ya'la mulla zee'na zalla'mu aey'ya mun'qa'la ba'en yun'qa'ly'boon."* (26:227) So that the cruel exploiters may not be able to roam freely or do whatever they like. In this system, the exploiters see the consequences of their deeds and how the rest of the society, views their life styles.

Here rests the difference between a poetic state of mind and that of a true Muslim. The compassionate Quran, does not censure the words of any poem or rebuke the mode of expression, it condemns the poet's world of fantasy. When Coleridge said that the anti-thesis of poetry is not prose - it is science. He was also pointing towards the same fact.

Poetry and Messengers

It is necessary here, to elaborate on yet another seriously debated argument. Like the Greeks, as in other civilizations of this world, the Arabs also believed in the concept that poets' inspirations are in fact intuitions. (*Here I have tried to interpret the Urdu word Il'haam. Il'haam connotes getting messages from the world of beyond, but, is a degree less than revelations.*) The Messenger[PBUH] was also called a magician, others called him a soothsayer and at other times the locals labeled him a poet. The benevolent Quran shattered this concept also and expounded that "messengership" is not poetry. The intuitions and inspirations of any poet are renditions and figments of his own imagination. On the contrary, 'Divine revelations,' are an external Truth. This Truth is not a product of Messengers' personal passions, ideas or inspirations. Quran's criticism of poets is to reproach the concepts of fantasy.

This must explain (as in music and painting), why Quran does not denounce the poem. It is concerned with the message the poem conveys.

Enlightened mind, renders a warm hearted life;

Lifeless words, closed minds, are a dirge on life!

This awakening of the mind, comes with the light from permanent values. The radiant permanence, opens the main avenues of life, to those who are lost in this world. It is this awakening that Allama Dr. Iqbal talks of, when he says,

If the purpose of a sonnet, is to make humanity;

Poetry must then be taken, only next to prophecy.

Hazrat Hus'aan bin Sabit[R] himself recited poems in the company of the Messenger[PBUH]. At times the Messenger[PBUH] himself requested him to recite poems. The same was the attitude of Omar[R] towards poetry and verse. Only that poetry which reflected facts of life, always enchanted Hazrat Omar[R]. He advised his son, Abdur Rehman, to learn verses of wisdom, so as to enhance his cultural values. One who is not into poetry, he said, cannot be acclaimed as a groomed scholar. On poetry of Arabs, he once said, "Arabs, in aesthetics, are proud of their profound poetical wisdom. Poetry, when necessary, softens the hearts of humanitarians and even contemptible hearts become soft." At another instance he explained,

"The art of poetry was the only possession of the nation, who knew not, of any better art. When Islam was spreading, the Arabs became busy in their constructive struggles (Jihaad) and forgot everything of the art of poetry. Later, when Islam was established and victories were achieved, Arabs settled in their places and reverted to their only art – that of poetry. The elders of their generation had all passed away, while others became the target of swords. There was no *magnum opus* or any reputed book on poetry which they could find. Whatever little they were able to locate, they memorized it by heart. A huge amount of treasure was lost and very little was left behind."

It is not possible to testify with certainty, if Caliph Omar[R] himself wrote poetry or not. However, historical events stand witness to the fact Omar[R], had memorized so many verses that he had a verse for every vital occasion. His choice of verses and taste in poetry is considered prolific. So much so, when reviewing poems, everyone present in the poetical sittings, was left speechless. On this topic he has been eulogized in many exalted works and books of erudite authors. This kind of poetry, has the acumen and strength to overthrow the governments of Pharoahs, Hamans and Qa'roons or other rich magnets.

The message of Quran is a life giving message, an evolutionary message. To undo every department in a corrupt system and replace it with correct values of life, is its message. It is a message to develop the potential of human personality, in order to unfold the beauty of its surroundings. This message, unites the schisms and makes you walk with alacrity. To introduce human values, to those living an animal existence and to elevate man to the status of human being, is its message. This message takes a person to heights, where (in Nietzche's words) 'we look down on the fate of our stars.' Songs or sculpture, painting or poetry, if it propagates this message, it is not only benevolent, it is a duty. If, on the other hand it is a decadent message that is being given to a lively nation, then it is forbidden.

Only that can be given the name of art, which balances itself on grandeur and glory. In case of no harmony, that very art is no better than opium.

A warm heart without deeds, all philosophy;

A warm heart with deeds; is all in prophecy!

This, gentlemen, is according to my humble knowledge, the definition of art, in the spirit of Quran:

It's angelic elements, the aesthetics of Gabriel;

In the hilarity of a commoner, in pathos of elite.

We can visualize its influence which we experienced in the 1965 war with India. The heart warming renditions of various singers, were miraculous. On the morning of September 6, we were off-balanced by the stealthy attack of the Hindus. On the same day, by evening, the thunder of charismatic and motivational songs, "My soldiers! The nation has arisen from its slumber," echoed from all corners of the nation. The songs resonated in full volume from the radios, in bazaars and homes; creating a highly explosive atmosphere. Their vibrant and commanding pitch elevated each and everyone's spirit. The effects of these war songs, that continuously pounded the hearts for seventeen days, can be heard from the soldiers who were on the front lines. The heat of pulsating hearts, re-enforced the spirits of soldiers – and this was, yet, only our first experience of war.

It can only be surmised, if we combine a voice on fire with a life giving message, it brings out unconquerable passions and takes us to unimaginable heights. With pure hearts and sublime passions, if we act under the guidance of Divine revelations, we attain God speed, super energy and supreme courage. The huge volume of potential, granted to us by nature, is neither good nor evil by itself. It is how we use this potential which makes it good or evil. If we make them function under the guidance of permanent standards, the consequences are bound to be good in every respect. Be it in prose or poetry, or dressed in silky attire. Human potential,

If it's without God's system, it's worse than poison;

And within God's system, is a cure to every poison.

Personal Viewpoints:

The drama of good and evil sitting side by side, is what we are watching everyday, from the moment we began our conscious living. Life indeed is a unique experience, good for those who are content with their lot and bad for them who have let their imagination loose and know not how to stop. It is in the apparent poverty of our resources and the abundance of our cravings, the everlasting cardinal parade of humanity suffers. Despite all its suffering we still want to live, or desire immortality, is a paradox of immense magnitude. The other paradox that has always baffled me out of my senses, is when I observe the infrastructure of any society, being constructed on a diet of lies, in order to build a Truthful social standing in today's world? Not finding any immediate panacea to these ills, the world around me started to look gloomy and bleak. Perhaps, that is

why, I turned into an artist. Just to see and reproduce the little beauty that was in my mind, from the long, lost, innocent days of childhood.

At times it seems that the very best, for us, was beyond the powers of nature. The best she could do was to give us her 'second best.' As one scholar wrote, "View life as a whole, exert all your powers of fancy, take all history into your account, the embarrassing contradiction remains." Who has ever had the best in life, is an eternal mystery, as only the best know of it. Nature has cajoled people into self-sacrifice, says the same scholar, "to loss of life for their off-spring, for their race, their country, to martyrdom for their faiths, for shadowy, intangible notions, less substantial than gossamer. By what arrangement of cranks, wheels and levers did she cozen this creature of a day to look beyond his own instant profit, his obvious gain?"

After going through the works of great thinkers and philosophers, gentlemen, needless to say, including the Quran, the conclusions derived were that Life is a serious game. And like all other minor games that we play, it certainly has its own rules and boundaries, which we must know, in order to enjoy it. To play the game of Life, we have to, each one of us, know what we are good at, to take our position with other team players. Otherwise, sad as it may sound, we can apply all types of traditional, conventional or family rules, and call them by whatever name we want to, I swear by the name in whose power is my life - we will go to our graves complaining about Life. It is our choice, live it or leave it! Allah never has nor shall ever force humankind. He only guides us towards the consequences. What we do with that guidance is our business. Do we really want to have knowledge of those values or rules or do we want to improvise and make our own rules, it is indeed all up to us. If we desire to enjoy this life then we shall have to give Allah a chance. Please read carefully, again and again, and search what He wants from us, for our own healthy peace of mind. But when temporary pleasure is the problem, then who cares about Allah?

If Allah has guaranteed hundred percent peace, when we follow His rules, which are in the Quran – then all Muslims, must get the promised peace of mind. Otherwise it only proves, either Allah is cajoling us **or** we have missed the essence and therefore do not understand, what He has revealed to us in the compassionate Quran! If anyone can show me another alternative to this predicament, he shall have my humble gratitude for the rest of his life!

It is quite true, what Allama Parwez has tried to explain in this discourse, that we must abstain from those who only take one or two attributes of the Divine entity and try to balance life on it. He also gives the example of the Christian religion that is dominant in the west, who has taken the 'mercy' attribute of God to great lengths, because of which they are suffering. At the same time, Allama forgets, in the east, especially in India, the Hindus have somehow, borrowed the attribute of 'grandeur' (jal'aal) from the Muslim rulers of the Mughal dynasty. Of course, to every cause there is always an effect, as that happens to be in the

laws of nature. If we care to go into the deep rooted causes, we will eventually reach the reason why Hindus have preferred only this attribute, casting aside all the other attributes of Allah, in which the Muslims believed.

One reason that comes to mind, is because the Hindus have various gods in their religion. Every educated Hindu scholar, in the modern world of technology today, realizes that he cannot get anything from a god that he himself has created with his own hands. It is just a piece of sculpture, which cannot even take care of its own existence. It is plain and simple logic. Since traditions take centuries to change, they are certainly an extremely diehard problem for the whole mankind. In this case, in order to free themselves from the shackles of determinism and fate, on which the Hindu religion is based; power and grandeur of the Muslims, attracted them the most. It is due to this 'power' attribute, which they adopted and have magnified it out of proportion. This has brought forth in them, a mental attitude of a killer. If we care to go, gentlemen, into the psychology or fabric of the human mind, a person kills in order achieve his/her motive. By hook or by crook. It is because of this killer mentality in them, they did not care to give a second thought, when killing took place in the sacred Golden Temple of Sikhs, in India, more than a couple of decades ago, if I am not incorrect. Killer minds have no scruples, especially when a person, or for that matter the whole society, has reached the stage where they begin to enjoy killing. Now the Hindu mind, in order to please the Sikhs, has created a Sikh prime minister. Just to show the world that they harbour no ill feelings towards the Sikhs.

When I speak of a Hindu mind, it is the collective mind of those, who are making plans to keep India together. I am not writing about the common Hindu, as that person will be just like any other human, working to feed his children in a decent manner, I assume, and struggling to make his ends meet. The individual may or may not be influenced by the politics in the environs. However, the built up anger in Sikhs, which will take sometime now to subside, is now being diverted to other issues and problems and that is how they are going to diffuse the main issue, with the passage of time. That is gentlemen, how the killers' mind work in order to remain in power. It is for this reason, Allah has forbidden Muslims, in the Quran, not to linger or stretch just any one of the attributes of His being. As that shall impede the development of our 'self.' *"Wa'za rolla'zee'na yul'hi'doo'na fee usma'aa'ee'he,"* (7:180) we must refrain and stay away from those, who only take His one attribute and linger on with it.

Last but not in the least, I did my utmost, to maintain the original fluency that is also a landmark of Allama's literature, without losing the essence of the argument. However, if I have erred in my attempt, I ask forgiveness. As to err is but human and to forgive is Divine. What actually motivated me to paraphrase this discourse on art, by Allama G. A. Parwez, will not be an unusual question. After having seen and studied works of various European, American, Asian and great artists from other countries, I concluded that art, like religion, was a subjective expression of the artist. Then I asked myself, why is it, only a few

paintings, sculptures or musical compositions are standing the test of time for centuries, while thousands of other artists have vanished in history. The only common factor that I could see in the famous works of art was the artists' sincerity in their search for Truth. Their subjective expression did belong to the times in which the artists grew up. And certainly, every philosophy and art is a product of its age. The lasting element in the works of these artists, we will observe, is that their creative works were closer to nature, as the artists were sincerely searching for the Truth. It was in their profound sincerity to nature, which made their works of art have originality and a longer life, as compared to works by other minor artists. In order to be original, it becomes indispensable, first of all, to go to the origin.